~~۱۶۱۹~~

۱۰۵۸ع

حیات زیب النساء

لائبریری منبعہ میرٹھ

[illegible]

محمد [illegible] الله

الحمد لله [illegible]

[illegible] ۱۹۵۱ [illegible]

نذر

بخدمت

جناب مولانا مولوی محمد حسن صاحب جالندھری دام ظلکم

معظمی مکرمی

یہ تو میں بخوبی جانتا ہوں کہ اس ناچیز تالیف کو جناب کے نام نامی کے ساتھ منسوب کرنے میں کسی طرح سے جناب کے اس اعلے درجے کے اعزاز اور شہرت میں جو جناب کو پہلے سے حاصل ہے کسی قسم کی ایزادی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس خیال سے کہ جناب کے نام کے ساتھ ان پریشان اوراق کی عزت ہو جائیگی میں بصد عجز و نیاز اس کتاب کو جناب کے نام پر ڈیڈیکیٹ کرتا ہوں ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکسار محمد الدین خلیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسئلہ سے تمثیل کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اور سوانح عمری لکھنے کی غرض بھی یہی ہوتی ہے۔ ہمارے ان اوراق کی ہیروائن ایک شاہزادی ہے جو مواقع اور آسایش زمانہ اُسکو حاصل تھے کون ان تک پہنچ سکتا ہے تاہم ایک ایسے کیرکٹر کا صفحات قرطاس پر زبان کے لباس میں عوام کے سامنے پیش کرنا کچھ کم اثر نہیں رکھتا۔ ایک ایسی صاحب کمال عورت کا حال جو اپنے زمانہ میں بلند پروازی اور نازکخیالی کے باعث کچھ کم رتبہ اہل علم میں نہ رکھتی تھی۔ نہ صرف زبان کے ذخیرہ واقفیت میں ازدیاد کا باعث ہے بلکہ ملک کی اخلاقی ترقی کے لئے زبردست پایہ رکھتا ہے ٭

اہل مغرب اپنے مشاہیر کی جو کچھ قدر کرتے اور اُنکی کوششوں کا جو حق انصاف اُن سے ادا ہوتا ہے وہ لاریب قابل داد ہے۔ وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی قومی عزت کو اس قابلیت سے رنگ چڑھاتے ہیں کہ خواہ مخواہ پبلک سے تحسین کرا لیتے ہیں برخلاف اسکے ہمارے ملک والے اپنے لوگونکی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے اور ان سے اتنا بھی نہیں بن پڑتا کہ انکی اتنی تو قدر کریں کہ کچھ دنوں اُنکا نام زندہ رہے۔ زیب النسا بیگم جسکا نام آفتاب کیطرح روشن ہے جسکے اشعار ولطائف و

ظرائف وغیرہ اکثر شائستہ محافل اور مجالس میں سننے میں آتے ہیں۔ آج سے کوئی دو سال ہوئے ہندوستان میں مشہور شاعرہ گزری ہے جس نے اپنی جادو بیانی اور معجز نگاری سے ملکِ سخن پر سکہ بٹھا دیا تھا اور ہمعصروں میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ سیاح جسکا کلام تحفہ کے طور پر غیر ممالک میں لیجاتے تھے اور بڑے فخر سے سناتے تھے۔ آہ آج عوام اس کے حالات سے ذرا بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ بلکہ بعض تو یہ بھی نہیں جانتے کہ تھی کون اور کس خاندان کا چراغ تھی۔

زیب النساء بیگم نے ایشیائی شاعری پر جو جو احسان کئے تھے وہ محتاج بیان نہیں اسکا دعوے "سکہ بر نقد سخن رائج ایران زدہ ام" قابل تسلیم خیال کیا گیا تھا اُسکے کلام کی زیارت کو پُرشوق آنکھیں ترسا کرتی تھیں اور ہاتھ صرف اُسکے پانے کی ہوس میں پھیلے رہا کرتے تھے لیکن ملک نے جو اُسکی قدر کی ہے اظہر من الشمس ہے اُسکی ساری عمر کی کمائی چلی گئی یہانتک کہ سوائے ایک دیوان کے دوسری تصانیف کا پتہ تک نہیں چلتا۔ اور اگر ایسا ہی اندھیر مچا رہا تو کچھ شک نہیں کہ اُسکا نام بھی مثل دیگر مشاہیر کے صفحہ ہستی سے مٹجائیگا۔ افسوس! جب ہم اسکے کلام کو لیکر پڑھتے ہیں تو اُسکے سحر نما مضامین اُسکے چست اور مؤثر فقرے اور اُسکے جادو بھرے الفاظ اور اُسکے پردرد نغمے دلوں میں نشتر کا کام کرجاتے ہیں اور بیساختہ زبان سے نکلجاتا ہے کہ کیا اُسکی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ عروج شاعری کی منزل کی سب سے اونچی سیڑھی پر جا چڑھے اور سحر انگیز مضامین سے دلوں کو گرویدہ کرکے ایسی جگہ آپڑے کہ نام تک مٹجانے میں بھی کسر نہ رہے۔

زیب النسا بیگم کے ہو گئی ہیں سب سے زیادہ قابل غور بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُسکے چال و چلن اور شاعری کی نسبت تمام مورخین کی رائیں بالکل متضاد ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ عورت ہو کر جو رتبہ اُس نے پایا مرد لاکھ کوشش کرے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ بعض فرماتے ہیں کہ نہیں وہ معمولی لکھی پڑھی تھی گو شعر بھی کہتی تھی مگر ایسی نہ تھی جیسا کہ اُسے مشہور کیا جاتا ہے ÷

ایک تیسرے کریم النفس اصحاب اور ہیں جو بجائے ہمدردی کے عداوت کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیوان مخفی زیب النساء کا کلام ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایرانی استاد معروف بہ رشتی کا ہے زیادہ تر اس بات پر ہٹ دھرمی کرنیوالے کارپردازان مطبع نولکشور ہیں جو بلا سوچے سمجھے اپنے مطبع کی کتابوں کے سرورق پر جب دیگر کتب کا اشتہار لکھتے ہیں تو دیوان مخفی لکھ کر ایزاد کر دیا کرتے ہیں کہ ÷

"یہ کلام ایک ایرانی استاد کا ہے عوام اسے
زیب النساء سے منسوب کرتے ہیں یہ غلط ہے"

اور علےٰ ہذا القیاس دیوان مخفی جو اُنکے مطبع میں چھپا ہے اُس کے اخیر صفحہ پر لکھا ہے۔

"دریں ایام خجستہ آغاز ہمایوں انجام۔ بلاغت نظام شاعر عالیمقام و سخنگوے فلک احتشام سرآمد شعرائے نامی صاحب زبان تخلص رشتی معروف بہ دیوان مخفی کہ بسبب خوبی کلام تا ہنگام ہزاران خواستگاری مشتاقان زیں پیش [illegible]شش با

باراول است بہ تصحیح بہمااکمن آرائش پذیرفتہ آویزہ گوش روزگار گردید"

مگر شاید انہوں نے اس دیوان کو پڑھا نہیں۔ سُنی سُنائی باتوں کا تتبع کرلیا ہے وہ پہلے اپنے ہی مطبع کا چھپا ہُوا دیوان لیکر پڑھیں صفحہ چہاردہم سطرے میں لکھا ہُوا ہے ؛

دخترِ شاہم ولیکن رو بفقر آوردہ ام

زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النسا ست

اسکا جواب شاید یہی ہو کہ آئیندہ طبع میں اس غزل کو ہی دیوان سے نکال دینگے

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے

جادو وہ جو سر پہ چڑھکے بولے

ڈاکٹر برنیر نے جس نے اُس زمانہ میں ہندوستان کا سفر کیا تھا اپنی کتاب میں اس نامور شاعرہ کی سوانحعمری پر دھبہ لگایا ہے اور ایک جلد باز اور متعصب مورخ کیطرح اصلی اور سنے سنائے واقعات کو خلط ملط کر کے اُسکے کیرکٹر پر نکتہ چینیاں کر گیا ہے مگر جس نے اسکی تاریخ کو نظر انصاف سے دیکھا ہے وہ اس بات کا قائل ہوگا کہ ڈاکٹر برنیر کی کلام کا ہذیان سے زیادہ رتبہ نہیں اور جو کچھ اُس نے لکھا ہے اُس سے محض تعصب کی بو آتی ہے ؛

اب ہم چاہتے ہیں کہ بسبیل اختصار زیب النسا بیگم کی زندگی کے عجیب حالات اور اُسکے مختلف کوائف چال و چلن بیان کریں کیونکہ بڑی چیز ونکی

ہوتی ہے۔ اس ہیروائن کو دنیا کے تماشہ گاہ سے گئے ہوئے اسقدر عرصہ گزر
گیا ہے کہ اُن چند صفحوں کی ترتیب میں اور صحیح واقعات کی تلاش میں جو دقت
پیش آئی ہے اسکا مرتب ہی بجائے خود اندازہ کر سکتا ہے۔ تاہم جو کچھ فراہم ہو سکا
ہے ہدیہ ناظرین ہے ع گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف ؛

ایک ایسی باکمال کی سوانح عمری جسمیں علمی اور اخلاقی دونو خوبیاں موجود تھیں
اور جس نے اپنے جذبات کی فتح سے علمی دنیا میں ایک ممتاز اور نمایاں عزت
حاصل کی تھی ملک کی ترقی میں کچھ مدد دینے والی نہیں ہو سکتی۔ دلچسپی
واقفیت اور نیز ان مختلف تحریکوں کے لحاظ سے جو ان صفحات سے ملک
کی اخلاقی اور علمی بہبودی پیدا ہونیکی امید ہو سکتی ہے۔ یقین واثق ہے
کہ ناظرین انکو عبور کر کے مرتب کی محنت کا حق انصاف ادا کرینگے ؛

جی تو نہیں مانتا تھا کہ اس دلچسپ دیباچہ کو یہیں ختم کرتا خوف طوالت کا
بُرا ہو۔ کرنا ہی پڑا۔ لیکن؟ شب آخر آمد و افسانہ از افسانہ میخیزد کتاب نامکمل
رہی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے محترم دوست منشی غلام محمد صاحب (محکمہ ٹریفک)
کا شکریہ ادا نہ کروں جنکی توجہ اور امداد نے اسکی ترتیب و تکمیل میں وہی
کام دیا ہے جو چمن کو آبیاری سے ہوتا ہے اور سچ تو یوں ہے کہ صرف میں
ہی نہیں بلکہ حجلہ نشین علیتین (زیب النساء بیگم) کی روح بھی شکریہ کے
ساتھ احسنت و مرحبا کہہ رہی ہے ؛ خاکسار

لاہور ۲۹ - مئی ۱۸۹۹ء محمد الدین (خلیق)

دیباچہ طبع دوم

کسی مصنف یا مولف یا مرتب کیلئے آجکل جیسے ناقدردان زمانہ میں یہی معراج ہے کہ اُسکی تصنیف یا تالیف کو دوسری بار پریس دیکھنا نصیب ہو۔ یہی اُسکی محنتوں کا صلہ خیال کیا جاتا ہے اور یہی اُس کے لئے سرمایہ ناز ہے ۔

الحمد اللہ کہ مولف حیات زیب النسا کو بھی یہ فخر نصیب ہوا ہے کہ اُسکی ناچیز تالیف کو چھپے ہوئے ابھی پورے دو سال بھی نہیں گذرے تھے کہ اُسکو دوسری بار چھاپنے کی ضرورت پڑی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ملک نے کسقدر جلد اُسکی محنتوں کا صلہ دیا اور کتنا کچھ اُسکی تالیف کی قدر کر کے اُسکی حوصلہ افزائی کی۔

پچھلی بار بہ سبب چند در چند وجوہ کے اسمیں بہت سی غلطیاں رہ گئیں تھیں۔ مگر اب کی دفعہ کوشش کیگئی ہے۔ کہ یہ نقص بھی نہ رہے اور جو کچھ مزید حالات دستیاب ہوئے وہ بھی درج کردئے گئے ہیں ۔

سہارنپور مورخہ ۴ جنوری ۱۹۰۶ء خاکسار

محمد الدین (خلیق)

شجرہ خاندان شہزادی زیب النسا بیگم

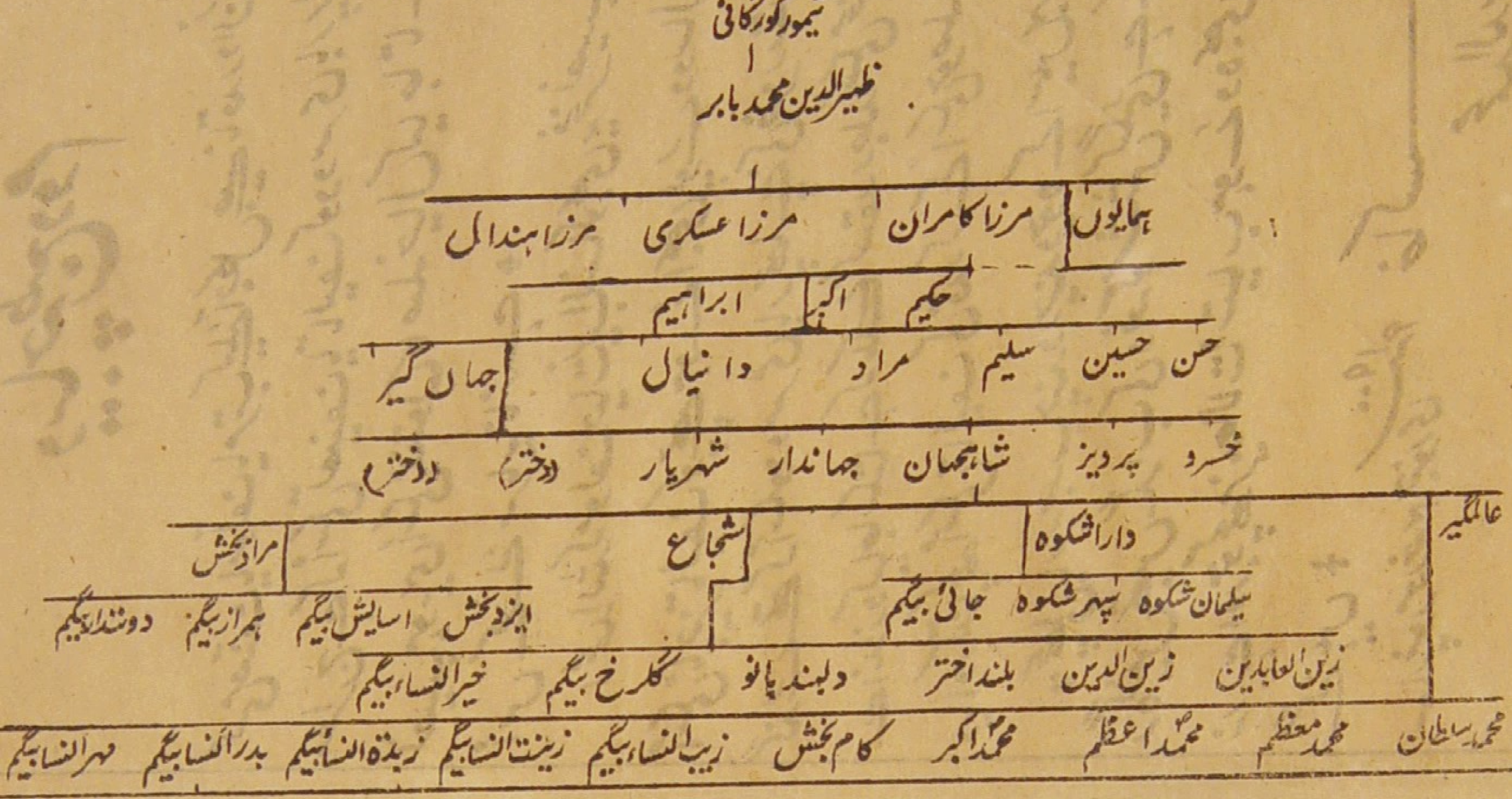

حیات زیب النساء

پیدائش، بچپن اور تعلیم

یہ روشن خیال اور عالی دماغ شہزادی شہنشاہ ہندوستان محمد محی الدین عالمگیر اورنگزیب کی بیٹی تھی۔ اس کا اصل نام زیبندہ بیگم تھا۔ مگر مشہور زیب النسا بیگم ہے اس کی اور بھی چار بہنیں تھیں۔ جن کے نام بترتیب عمر زینت النسا بیگم۔ زبدۃ النسا بیگم۔ بدر النسا بیگم اور مہر النسا بیگم ہیں۔ مگر یہ سب سے بڑی تھی۔

یہ شہزادی ۱۰ شوال ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۹ء کو صبح کے چار بجے دختر شاہنواز خاں کے بطن سے پیدا ہوئی۔ شاہی دستور کے مطابق اس کی پرورش شروع ہوئی اور اچھی اچھی شریف زادیاں اس کی خدمت کے لئے مقرر ہوئیں مگر دودھ پلانے پر صرف میا بائی تھی۔ اس کا بچپن نہایت ہی خوبصورت اور لطیف تھا۔ جب تین سال کی تھی تو میا بائی کے

نہ اکتاتی تھی - میابائی نماز و وظائف کی بڑی پابند تھی اور اکثر گھنٹوں مصروف رہتی تھی - مگر کیا مجال جو یہ روئے یا دیگر بچوں کی طرح مچلے گو میابائی کی حرکات و سکنات کو ہرگز نہ سمجھتی ہوگی - لیکن یہ نظارہ اُس کے دل بہلنے کے لئے کافی ووافی تھا +

عالمگیر کو اس سے بہت محبت تھی - اور اُس کے طرز و انداز کو دیکھ کر اُس نے سمجھ لیا تھا کہ یہ ننھّی سی طبیعت ضرور کسی دلچسپی کا مادہ اپنے میں رکھتی ہے +

زیب النساء جب سوا چار سال کی ہوئی تو ملّا جیون سے (جو شاہی خاندان کے استاد تھے) بسم اللہ شروع کرائی گئی - اس کا ذہن اس بلا کا تھا کہ اُس نے صرف دو سال اور تین مہینے میں قرآن شریف ختم کر لیا اور ابھی آٹھ سال سے کچھ کم ہی کی تھی کہ حافظ بھی ہو گئی - حافظ ہو جانے کی خوشی میں اُس کے باپ نے تیس ہزار اشرفیاں اُس پر سے تصدق کیں اور بہت کچھ خوشیاں منائیں - بعدہٗ اُس کو ملا سعید اشرف بن مسالح عرف شاہ رستم غازی کا (جو اُس زمانہ میں یگانہ تھے) شاگرد بنایا گیا اور اُن سے علم فارسی و عربی - فقہ اصول کماحقہ حاصل کیا - علاوہ ذہن رسا کے اُسکی زبان میں خدا نے اس درجہ کا لوچ دیا تھا کہ جب یہ قرآن پڑھتی تھی تو سامعین کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑتے تھے

شاعری کے لئے اُس کی طبیعت خود بخود ایسی موزوں پیدا ہوئی تھی

کہ جو بات اُس کے منہ سے نکلتی تھی مقفّے ہوتی تھی۔ شروع شروع میں تو اسے کچھ خبر ہی نہ تھی۔ لیکن اُستاد جو اُسے ملا تھا وہ ماہر خفی وجلی تھا۔ بلکہ کہتے ہیں کہ اُس نے پیشین گوئی بھی کی تھی کہ یہ شاعرہ ہوگی۔ اس پیشین گوئی کی خبر رفتہ رفتہ زیب النساء کے کان تک پہنچ گئی۔ جس نے اس کی طبیعت میں اور بھی شعر گوئی کا شوق پیدا کر دیا۔ شعر گوئی کا شوق پیدا ہونے کو تو ہو گیا۔ مگر اصلاح کی ضرورت باقی تھی شاہ رستم غازی صاحب سے تو ادب اور حیا مانع تھی اور دوسروں کو وہاں تک مجال رسائی نہ تھی۔ اس لئے پندرہ برس کی عمر تک یہ آتش شوق اُلکی دل ہی میں دبی رہی تاہم جو کچھ موزوں ہوتا لکھ لکھ کر جمع کرتی جاتی تھی۔ اور فرصت کے وقت خود ہی نظر ثانی کر لیا کرتی تھی +

ایک دن شاہ صاحب مرحوم نے چند مختلف اشعار جو اُس کی بیاض میں لکھے ہوئے تھے دیکھے اور نہایت ہی پسند کئے بعد ازاں زیب النساء سے دریافت کیا کہ کیا وہ اشعار اُسی کی موزوں طبیعت کا نتیجہ ہیں۔ اس سوال کا جواب شہزادی زیب النساء نے نہایت حیا اور ادب سے اثبات میں دیا۔ شاہ صاحب نے اپنے شاگرد کی ایسی پاکیزہ طبیعت دیکھ کر شعر گوئی کی اجازت دے دی۔ بلکہ اصلاح کے لئے بندوبست کر دینے کا بھی وعدہ کیا۔ اب تو اُس کی دلی مراد حاصل ہو گئی۔ اور دن بدن اُس کی نازک خیالیاں زور پکڑتی گئیں +

میر ناصر علی سرہندی اور نواب ذوالفقار خاں

قبل ازیں کہ اور حالات زیب النسا بیگم کے لکھے جائیں تھوڑا سا حال ناصر علی صاحب سرہندی کا لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

یہ بزرگوار شرفائے سرہند سے تھے اُن کے والد صاحب کو بھی شعر گوئی کا بہت شوق تھا۔ مگر معروف مسئلہ "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" انہوں نے ہی ثابت کر دکھایا۔ یہ زبان فارسی کے معتبر مصنف اور مسلم الثبوت محقق تھے۔ بڑے آزاد الطبع۔ بلند نظر اور مدّ مغ تھے اور اسی قباحت نے اُنہیں نازک مزاج بنا کر ہمیشہ دنیا کی راحت اور فارغ البالی سے محروم رکھا۔ امیروں کے پاس جانا اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ ہمیشہ اپنے ٹوٹے پھوٹے تنگ و تاریک جھونپڑے میں قناعت سے گذارہ کرتے تھے۔ انکو آسودہ حال کبھی نہیں دیکھا گیا۔ ہاں ایک آدھ فاقہ ضرور گذر جاتا تھا۔ انکو چھوٹی سی عمر میں شعر کہنا آگیا تھا۔ جب یہ بیس سال کے ہوئے توسمند ناز پر ایک اور تازیانہ فقیری لگا بیٹھے۔

اُن کے زمانہ میں سرہند کے ناظم نواب ذوالفقار خاں تھے۔ اُن کو شاعروں سے بہت الفت تھی۔ جب اُنہوں نے میر صاحب کا حال سُنا تو برہمن نام شاعر کو (جو اُن کے دربار میں تھا) لانے کو بھیجا۔ میر صاحب نے پہلے تو جانے سے انکار کیا اور کہا "بابا میں تو فقیر ہوں"، مگر برہمن بلا کا لسّان تھا کسی نہ کسی ڈھنگ سے اُن کو دربار تک لے گیا۔

اتفاقیہ بات تھی یا میر صاحب کی سبز قدمی سمجھو۔ میر صاحب ابھی علیک سلیک کر کے بیٹھے ہی تھے کہ لونڈی نے اندر سے آ کر نواب صاحب کو اُن کی اکلوتی اور لاڈلی صاحبزادی کی وفات کی خبر سنائی۔ مجبوری کا مقام تھا۔ نواب صاحب کو زنانخانہ میں جانا پڑا۔ مگر چونکہ میر صاحب کی طبیعت سے واقف تھے کہ مبادا منغص طبع ہو کر چلے جاویں۔ اُلٹے پاؤں واپس آ گئے۔ یہاں آ کر دیکھا۔ تو میر صاحب کبھی کے کافور ہو چکے تھے۔ نواب صاحب کو بہت حیرت ہوئی۔ اور جو فقرہ بیساختہ زبان سے نکلا۔ وہ یہ تھا "ارے کوئی جانا وہ تو میری ہجو لکھ ڈالیگا"۔ برہمن نے پھر تکلیف کی اور میر صاحب کے گھر گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ واقعی وہ ذوالفقار خاں کی ہجو لکھ رہے ہیں برہمن نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ہاتھ پکڑ لیا۔ جب میر صاحب نے سبب پوچھا تو کہا۔ "واہ صاحب واہ نام تو ہو علی اور ذوالفقار کی ہجو"۔ میر صاحب کو فی البدیہ فقرہ پسند آیا۔ اور کہا "افسوس مجھے قدرت نہیں ورنہ جو تو مانگتا بلا عذر دے دیتا۔ اب بھی جو کچھ میرے اختیار میں دیکھتا ہے مانگ" برہمن کو جب موقع ہاتھ لگا۔ تو عرض کی۔ "میرے ساتھ پھر دربار میں چلیئے اور اس ہجو کی جگہ مدح لکھ دیجئے" میر صاحب نے چونکہ زبان دے چکے تھے) اُس کی درخواست کو قبول کیا اور لکھا:۔

ای شان حیدری ز جبین تو آشکار — نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار
دشمن کش جہانی و یکدست پروری — فتح و ظفر و بختی مستند در قطار

ؔ ہجو بھی موجود ہے۔ مگر بہت فحش ہے۔ اس لئے اس جگہ نہیں لکھی گئی۔

تسخیر دوستان الٰہی نمودۂ | اے نوبہار خلق تو بر بوے گل سوار
مرغ دلم بہ نیم نگہ صید کردۂ | اے طائران عرش خدنگ ترا سوار
ترسم کہ دل ز بوے فراقت جنوں شود | آں دل کہ بردۂ ز دل من بمن سپار
یاراں چند در فن خود منشئی خوداند | ایں جمع را بیک نظر عاطفت شمار
ناصر علی تراز تو خواہد مراد بس | اے ابر فیض بر ہمہ عالم گہر ببار

بعدہٗ ساتھ گئے اور قطعہ بالا پڑھ کر سنایا۔ نواب صاحب بہت تواضع سے پیش آئے اور وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ مگر بے اعتنائی کی کھٹک دل سے نہ نکلی اور عوض لینے کی تاک میں رہے۔ آخر کار مرزا محمد علی صاحب المتخلص بہ صائب کو ایران سے بلوایا (بعض کہتے ہیں وہ خود آیا تھا) اور مقابلہ پر کھڑا کر دیا اُن کی چھیڑ چھاڑ کا رنگ علی کے مفصلہ ذیل اشعار سے جھلکتا ہے +

بایں شوخی غزل گفتن علی از کس نمی آید | بایراں میفرستم تا کہ بنویسند جوابش را
علی شعرم بایراں می برد شہرت ازاں ترسم | کہ صائب خون بگرید آبرو دفتر شود پیدا
علی بہ گلشن کشمیر رفتنم عیب است | کہ ہمصفیر من آں عندلیب تبریز است
خون گشت علی سینہ ام از مصرعہ صائب | در پیرہن غنچہ بہ ببینید چہ خار است

اودھر تو ناصر علی اور صائب میں چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی اب ادھر کا حال سنئے

لہ میر صاحب کی اردو۔ میر صاحب کے ہمعصر شاہ شمس ولی اللہ صاحب بھی ہیں جنھوں نے اردو شاعری کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہ ولی تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے ایکبار اپنے جوش ریختہ گوئی میں ناصر علی کو لکھا
اچھلکر جا پڑے جوں مصرعہ برق۔ اگر مطلع لکھوں ناصر علی کوں + ناصر علی نے جواب میں لکھا
باعجاز سخن گر اُڑ چلے وہ۔ ولی ہرگز نہ پہنچیگا علی کوں +

طبیعت کو بلند پروازیوں کے پر لگائے تو شاہ رستم صاحب نے حسب وعدہ بادشاہ سے اصلاح کے لئے کسی لائق شاعر کے استاد مقرر کرنے کی رائے دی بادشاہ نے (جس کو اپنی دختر ساری اولاد سے زیادہ پیاری تھی اور اسی محبت کی وجہ سے اس کو تعلیم بھی لڑکوں کے سکیل پر دی تھی)، منظور فرمایا۔ اور عمدہ عمدہ شاعروں کی پڑتال شروع کر دی۔ کشمیر و ایران و دیگر ممالک سے آدمی آئے۔ مگر زیب النساء کی چلتی طبیعت کے آگے کوئی لگا نہ کھا سکا +

ایک بار نواب ذوالفقار خاں ناظم سرہند دارالسلطنت میں شرف قدمبوسی کو حاضر ہوا۔ اور جب اُس نے یہ خبر سنی تو دربار میں ناصر علی اور برہمن کی یہاں تک تعریف کی کہ بادشاہ نے ذوالفقار خاں کو دونو شاعروں کی حاضری کے واسطے باصرار حکم دیا۔ جب یہ دونو حاضر دربار ہوئے تو بادشاہ نے کلام سنانے کی فرمائش کی۔ پہلے برہمن نے غزل پڑھی۔ جو بیشک مرصّع تھی۔ لیکن بادشاہوں کی طبیعتیں گاہے بسلامے بر نجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند کی مصداق ہوتی ہیں برہمن کی غزل کا یہ مقطع سن کر کہ ؎

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار
بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

کچھ بگڑ گئی اور توہین مذہب سمجھ کر بموجب حکم شرع انتقام لینے کی تدبیریں

کیا ہو جاتا۔ بادشاہ کی بری چتونوں کو تاڑ گئے اور دست بستہ عرض کی کہ حضور نے سنا ہوگا۔ گلستان میں سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ÷

خرِ عیسےٰ اگر بمکہ رود ÷ چوں بیاید ہنوز خر باشد

اگر برہمن کعبہ سے واپس آکر برہمن ہی رہے تو کچھ جائے تعجب نہیں یہ سنکر بادشاہ ہنس پڑا اور قصور سے درگذرا۔ بعدہٗ میر صاحب نے غزل سنائی اہل دربار زورِ طبیعت کو مان گئے۔ مگر زیب النساء بیگم جو براقی طبع میں خود بے نظیر تھی اُس کے کلام کو خاطر میں نہ لائی۔ اور دوسرے روز اُسی طرح میں اپنی غزل لکھ کر سنائی۔ اگرچہ میر صاحب کی طبیعت حاضر فکر رسا۔ اور بندش چست اس پر کلام میں زور سب کچھ تھا۔ مگر بفحوائے کلام الملوک ملوک الکلام اور میر صاحب کی غریب الوطنی کی وجہ سے سب نے زیب النساء بیگم کے کلام کو ترجیح دی ÷

اب یہ اُستاد تو نہ مانے گئے مگر شاعروں میں مقرر ہو گئے اور شاہی مشاعرہ میں مقابلہ پر طبع آزمائیاں کرنے لگے۔ غزلوں میں بھی چھیڑ چھاڑ ہونے لگی۔ مگر اس طرح کہ کوئی سمجھے اور کوئی نہ سمجھے ÷

علاوہ ناصر علی کے صائب۔ غنی۔ برہمن۔ بہروز اور عاقل بھی ہمعصر تھے۔ لیکن مشاعرہ میں حاضری سے معذور تھے کیونکہ غنی[1] کشمیر میں تھے۔

---

[1] غنی تخلص تھا۔ اصل نام ملا طاہر تھا۔ شیخ محسن فانی کے شاگرد رشید ہیں ان کا کلام نہایت ہی مقبول ہُوا۔ ایران تک شہرہ پہنچا تھا۔ مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹ پر)

اور گھر سے باہر قدم نکالنا نہیں چاہتے تھے۔ [illegible] لاہور میں تاہم تھا او

بندگی و بیچارگی کے سبب سے مجبور تھا۔ صائب سرہند میں نواب ذوالفقار

خاں کے پاس ہی رہا۔ البتہ بہروز۔ ناصر علی اور برہمن داد سخن لیتے اور

دیتے تھے۔ تینوں مقدم الذکر کے پاس جب مہینوں کے بعد طرح پہنچتی تھی

تب کہیں اُس پر کہتے تھے مگر وہ "مشت بعد از جنگ" ہوتی تھی۔ مذاق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) کہ میں اپنا سارا دیوان اُن کے ایک شعر کے عوض میں دینے کو تیار ہوں

کاش اس شعر کو میں کہتا ؎

حسن سبز تو بخط سبز مرا کرد اسیر — دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

کاشمیر سے کبھی باہر قدم نہیں نکالا۔ باوجودیکہ شہنشاہ ہندوستان نے سیف خاں حاکم کشمیر

کی معرفت بلوا بھیجا تھا مگر اُنھوں نے انکار کیا اور کہا کہ لکھ دو "غنی دیوانہ ہوگیا ہے"۔ سیف خاں

نے جواب دیا "میں تجھ جیسے عاقل کو دیوانہ کیونکر بنا سکتا ہوں"۔ یہ سُن کر آپ نے اُسی وقت کپڑے

پھاڑ ڈالے اور دیوانہ صورت بنالی اور کہا لو اب تو لکھ دو۔ افلاس جو شعراء کا ہمدم اور ہم

نفس ہے اُن کا بھی یارِ غار رہا۔ تاہم قناعت کو ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ دولت کے لئے

امیروں تک جانا ہتک سمجھتے تھے۔ چنانچہ خود کہتے ہیں ؎

فکر روزی برنمی دارد مرا از جائے خویش — آبرو چوں شمع می ریزم ولے برپائے خویش

ناصر علی صاحب نے ایک دفعہ اُن سے اپنی کلام کے بارے میں رائے طلب کی تھی

اُس کے جواب میں آپ نے لکھا ہے ؎

گر رتبہ شعری خود بہ پرسی از من — گویم سخن با تو مرنج اے کودن

بر ہر ورقے کہ کردہ مشق سخن — چوں لوح زبان شوی از آب دہن

شعری ہر ایک کا سنجیدہ تھا۔ لیکن قافیہ کے نباہنے میں ایک کو دوسرے پر فوقیت ہوتی تھی۔ ایک اگر آہ تھا تو دوسرا واہ۔ ذیل میں چند غزلوں کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے اُن کی قابلیت اور خیال کا اندازہ زیب النساء بیگم کے مقابلہ میں ہو سکتا ہے۔ مگر انصاف شرط ہے ؀

زیب النساء بیگم

برفگن از شمع رویت اے مہِ خوباں نقاب
تا بصد منت نہد بر پائے تو سر آفتاب

در فراقت زندگانی چوں کنم یارب کہ بس
غم قوی محنت فزوں دل ناتواں جانم خراب

آنچہ حاصل کردم از سودائے عشق ہست و بس
جاں کباب و سینہ چاک و دل حزیں چشم پر آب

خو گرفتم با غمِ عشق تو باید بعد ازیں
ہر نفس سالے بود پیش تو در راہ حساب

کامرانی گر کنی مخفی نمائی غم خویش
گریہ بیحد نالہ بیحد سینہ بریاں دل کباب

میر ناصر علی صاحب (علی)

بسکہ حسنت ریخت در پیمانہ حیرت شراب
چوں شفق بر روئے گردوں مانند نور آفتاب

جوہر اندر استخواں ماہیان پروانہ شد
شمع روشن کرد عکست تا بفانوس حباب

ہر کہ دارد آبرو از سختئ چرخ ایمن است
دانۂ گوہر نمی بیند شکست از آفتاب

عیبہا رنگ ہنر گیرد چوں دل روشن بود
صبح نورانی شود دود چراغ آفتاب

پردہ ہمچو دیدہ خواہم از میاں برداشتن
میتواں کردن تماشائے تو امشب بیحجاب

بر دلِ ریشم نمک از خندہ پاشیدن چرا
مرغ آتشخوارہ در آتش نخواہد شد کباب

[illegible] روئے تنہا ما نگردد خانہ مردم خراب

ایک دفعہ طرح تھی

"اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمیماند"

اس پر سب کی غزلیں موجود ہیں۔ مگر اس مقام پر صرف چند چیدہ چیدہ اشعار درج کیئے جاتے ہیں۔ (اس زمانہ میں شاید زیب النساء بیگم کی شاعری کی ابتدا ہو گی) +

زیب النساء بیگم

حجاب نو عروساں در بر شوہر نمیماند	اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند
مریض عشق او بسیار بر بستر نمے ماند	اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

مرزا محمد علی صاحب (صائب)

مہ دو ہفتہ ہرگز بارخ دلبر نمے ماند	اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند
دلم از مہر آں آئینہ رو در بر نمے ماند	اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند
ببریں بیمار الفت را کہ بر بستر نمے ماند	اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

ناصر علی صاحب سرہندی (علی)

زنے قحبہ درون خانہ بے شوہر نمیماند	اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند
چو میوہ پختہ شد بر شاخہائے تر نمیماند	اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

مسافر در سر کاروان اکثر نے مانند اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

نعمت خاں (عالی)

ہلال عید چو ابروے آں دلبر نمے ماند اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

زیب النساء بیگم کا حلیہ

ڈاکٹر برنیر صاحب جنہوں نے عالمگیر کے زمانہ میں ہندوستان کا سفر کیا تھا اپنے سفرنامہ میں شاہزادی کا حلیہ اس طرح بیان کرتے ہیں قد لمبا ہاتھ پاؤں متوسط درجہ کے بدن دُبلا پتلا۔ چہرہ گول اور رنگ صاف رخسارہ کے دائیں جانب نزد بینی گوش دو سیاہ تل۔ آنکھیں سیاہ اور موٹی موٹی۔ سر کے بال لمبے لمبے۔ دانت اور ہونٹ پتلے پتلے تھے +

میا بائی راوی ہے کہ بیگم صاحبہ نے مسّی اور سرمہ کا استعمال عمر بھر نہیں کیا۔ ہمیشہ سفید اور سادہ لباس رکھتی تھی سوائے اوائل عمر کے رنگین اور ریشمی لباس سے ہمیشہ نفرت رہی مگر خواصوں اور کنیزوں کو اجازت تھی کہ رنگین یا جس طرح کا لباس اُن کو پسند ہو پہنا کریں۔ بلکہ جس کسی کو سادہ لباس میں دیکھتی اُسے پہننے کو کہتی صرف زبانی ہی ارشاد پر اکتفا نہیں ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات تاکید بھی کی جاتی تھی۔

مروّجہ لباس کی کتر بیونت صرف محمّد شاہ کے زمانے سے ہوئی ہے مختلف اوضاع کے کپڑے پہلے نہیں پہنے جاتے تھے۔ مستورات کی

پوشاک یا ہندوستانی وضع کی ہوتی تھی۔ یا ایرانی وضع کی۔ زیب النسا تو
عموماً ایرانی لباس زیب تن کرتی تھی۔ ہاں ایک دفعہ جب لاہور میں آئی
تو ایک ہندو شہزادی کے ایما سے ہندوستانی لباس بھی پہنا۔ چونکہ اُس
کی خبر شاہ تک جلد پہنچ گئی اور اس نے زیب النسا کو اس پر بہت کچھ ملامت
بھی کی اس لئے فوراً اتار دیا۔ زیور بھی پہنتی تھی۔ مگر تھوڑا ایک مالا
قیمتی موتیوں کی ہر وقت زیب گلو رہتی تھی۔ جس کے بیچ میں دو تین
مرصع تعویذ ہوتے تھے۔ اور کانوں میں جواہرات کے کرن پھول
تاہم اس سادگی پر ہزار بناؤ اور سنگار قربان تھے سچ ہے ؎

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ دیکھو خوشنما لگتا ہے کیسا چاند بن گہنے

زیب النساء کا مذہب باپ کی طرح اہل سنت والجماعت تھا اولیاے
کرام اور بزرگان دین کے نام بڑے ادب سے لیتی تھی۔ شرک اور بدعت
کے کاموں سے نفرت کلی رکھتی تھی۔ عالمگیر کی تخت نشینی سے پہلے تعزیہ
داری و مجالس کا شوق بھی رہا۔ بڑے اخلاص اور اعتقاد سے شریک
مجالس ہوا کرتی تھی۔ مگر عالمگیر کے زمانے میں جہاں لوگوں نے دیگر
منہیات سے توبہ کی تعزیہ داری کو بھی اُنہیں میں سے سمجھا۔ تو
زیب النساء بیگم نے بھی حسب تلقین شراکت مجالس ترک کر دی
کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں حضرت شاہ میانمیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ مگر اس کا پختہ ثبوت کہیں نہیں ملتا

صاحب مغفور کا مرید تھا۔

زیب النساء بیگم طبیعت کی رحیم۔ بردبار۔ خلیق اور متحمل تھی غصہ اور غضب کے وقت بھی مطمئن نظر آیا کرتی تھی۔ خادموں اور کنیزوں سے بڑا سلوک رکھتی تھی۔ تاریخ جمیلی میں لکھا ہے کہ اس کو چین بجبیں کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ ہمعصر باوجویکہ بے باکانہ اور گستاخانہ چوٹیں کر جاتے تھے مگر یہ مستقل المزاج شہزادی غصہ ہونا تو درکنار پرواہ تک نہیں کرتی تھی۔ ایک دفعہ اُس نے یہ بے نظیر ع

از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم

تحریر کیا اور شاعروں کو دوسرا مصرعہ موزوں کہنے کے لئے ارشاد کیا سب نے اپنی اپنی طبیعت کا زور دکھایا مگر ناصر علی سرہندی موصوف نے لکھا ؎

از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم
شاید رسید بر لبِ زیب النساء لبم

گو یہ نہایت ہی گستاخانہ جواب تھا۔ تاہم تحمل سے کام لیا۔ اور بلحاظ ہمعصری بالکل پرواہ نہ کی۔ صرف اتنا لکھ بھیجا ؎

ناصر علی بنام علی بردۂ پناہ
ورنہ بذوالفقار علی سر بریدمت

ایکدفعہ ایک آئینہ جو فغفور چین نے شاہجہان شہنشاہ ہند کو تحفتاً

بھیجا تھا اور عالمگیر سے زیب النساء کو ملا تھا ایک پرستار روشن نام سے ٹوٹ گیا۔ اس قیمتی چیز کے ضائع ہونے کے باعث لونڈی کانپتی ہوئی آئی۔ مگر مارے خوف کے بات منہ سے نہ نکل سکتی تھی مگر جب بیگم صاحبہ نے پوچھا تو اُس نے روتے روتے کہا ؎

از قضا آئینہ چینی شکست

شاہزادی نے بالکل ملال نہ کیا بلکہ ہنسکر کہا ؎

خوب شد اسباب خود بینی شکست

فی البدیہہ جواب دینے میں تو اُسے وہ ملکہ حاصل تھا جو کہنہ مشق استادوں کو ہؤا کرتا ہے۔ بلا پس و پیش ایسا دنداں شکن جواب دیتی تھی کہ سُننے والوں کو حیرت ہوتی تھی +

لطیفہ جب لاہور میں چوبرجی والا باغ (جس کا مفصل حال آگے

---

۵۱ اسی خادمہ کی نسبت یہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ زیب النساء بیگم نے اُسے حکم دیا کہ فلاں کمرے سے میرا فلاں بیاض اُٹھا لاؤ۔ جب یہ بیاض لا رہی تھی۔ راستہ میں ایک چھوٹا سا حوض تھا جیسے کہ امرا اور سلاطین کے محلسراؤں میں تفریحی حوض ہوتے ہیں اور اُس میں سُرخ مچھلیاں چھوٹی ہوئی تھیں یہ خادمہ مچھلیوں کا تماشہ دیکھنے لگی اور بیاض اُس کے ہاتھ سے حوض میں گر گیا۔ اُس پر اُس نے شاعرہ بیگم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ رباعی جو اُسی وقت موزون کی تھی پڑھی ؎

آں بیاض خاصہ شاہی کہ در وے ہر طرف	چوں کواکب نقطہ ہائے انتخاب افتادہ است
ایں زماں از دست روشن خام و خاکش در دہن	جو بیاض سینہ ماہی در آب افتادہ است

آئیگا) تیار ہوا تو اُس کی افتتاح کی خوشی میں جشن منایا گیا اور مہمان دور دور سے شامل جلسہ ہوئے چونکہ مہمانوں کی خاطر ہر طرح سے منظور تھی خانساماں و داروغہ وغیرہ کو حکم دیا کہ جو شئے کسی کو درکار ہو وہ بلا عذر دی جائے۔ مگر شاید اس حکم کی تعمیل اچھی طرح سے نہ ہو سکی۔ اس لئے خود بدولت مہتمم باورچی خانہ بنی۔ اور مکرّر احکام جاری کئے کہ جس چیز کی ضرورت ہو بیگم صاحبہ سے رقعہ بھیج کر منگا لی جائے۔ عاقل خاں گورنر لاہور نے جو شہزادی پر دل و جان سے مفتون تھا۔ ایک پرچہ پر یہ ذو معنی فقرہ کہ ؎

"سنبوسۂ بیبن مے خواہم"

لکھ کر حضور میں ارسال کیا یعنی ظاہر میں تو بیبن کا سنبوسہ طلب کیا مگر در باطن بوسہ کا مطلب ادا کیا (کیونکہ جب لفظ سنبوسہ سے سن علیحدہ کر لیا جاتا ہے تو صرف لفظ بوسہ باقی رہ جاتا ہے) شہزادی اس کے مطلب کو تاڑ گئی اور اپنی دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی سے یہ فی البدیہہ فقرہ جواب میں تحریر کیا ؎

"از مطبخ ما در طلب"

نقل۔ ایک دفعہ کم سنی کے زمانہ میں سہیلیوں کے ساتھ اکبر آباد (آگرہ) کے قلعہ میں محل کے اوپر کھیل رہی تھی۔ کھیلتے کھیلتے کسی سہیلی نے جیسا کہ بچوں کی شوخ طبیعت کا مقتضا ہے ایک دیوار کے سوراخ میں ایک لکڑی ڈال دی اور کہا "نیمے دروں نیمے بروں"۔ اس پر سب نے ہنس دیا اور شور یہاں تک ہوا کہ زیب النساء کے جد امجد شاہجہان نے (جو آنکھوں

سے معذور اس مکان کی مسجد میں رہتے تھے اسن لیا اور گھڑک کر پوچھا یہ کیسا شور مچا رکھا ہے "چور کی ڈاڑھی میں تنکا سب نے جانا شاید "نیمے دروں نیمے بروں" والاشان نے فقرہ سن لیا تھرا گئیں اور حواس باختہ ہوگئے۔ لیکن زیب النساء بیگم مطلق نہ گھبرائی اور فوراً آگے بڑھ کر کہا "جدِ امجد ہم کہہ رہی ہیں"

از ہیبت شاہِ جہاں لرزد زمین و آسماں
انگشت حیرت در دہاں نیمے دروں نیمے بروں

نقل۔ ایک دفعہ باغ میں جلوہ افروز تھی۔ صبح کا سہانا وقت تھا نسیم سحری جو پژمردہ دلوں میں بھی گدگدی کر جاتی ہے۔ عین اعتدال پر چل رہی تھی۔ بلبلوں کی چہچہوں اور قمری کی کوکو نے لطف گلشن کو دوبالا کر رکھا تھا۔ طبیعت جو آئی تو نہر کے فرش پر بیٹھ گئی اور بے خودی میں یہ شعر منہ سے نکل گیا ؎

چہار چیز ز دل غم برد کدام چہار
شراب و سبزہ و آب روان و روئے نگار

اُس کو بار بار دہراتی اور لطف مضمون کا مزہ لیتی تھی۔ ناگاہ شاہ عالمگیر وہاں تشریف لے آئے۔ زیب النساء نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو والد صاحب کو تھوڑے فاصلے پر کھڑا پایا اور خیال ہوا شاید انہوں نے مجھے شعر بالا پڑھتے سُن لیا ہے۔ فوراً مضمون بدل دیا اور پڑھنے لگی ؎

چہار چیز ز دل غم برد کدام چہار   نماز و روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

نقل- ایک بکری کو دوانہ کی حالت میں دیکھ کر کہا ؎

اے صدف تشنہ بمیر و سوے نیساں منگر بہر یک قطرۂ آبے کہ شکم بشگافند

نقل- ایک دفعہ بازیگر کا تماشا حضور میں ہو رہا تھا- بازیگر کی عورت بلند بانس پر چڑھ کر قلابازیاں دکھا رہی تھی- چونکہ نہایت حسین عورت تھی- شعراء حاضرین میں سے کسی نے اُس کی تعریف میں یہ شعر موزون کیا ؎

ایں لعبت بوالعجب چو ماہے پیداست

یا تازہ گلے کہ بر سر شاخ رعناست

جب بیگم صاحبہ نے سنا تو کہا ؎

نے نے غلط است کافتاب محشر

بر نیزہ بر آمد و قیامت برپاست

نقل- ایک دفعہ باغ میں تشریف فرما تھیں موج طبیعت جو آئی تو ایک نرگس کا پھول سر میں لگا لیا- عاقل خاں نے جو اکثر بیگم صاحبہ کو دیکھنے جایا کرتا تھا- پھول کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

نرگس زدۂ بر سر ز شوق تو نرگس + خم کردہ رخ خویش کہ رخسار تو بیند

زیب النساء نے فی البدیہ جواب دیا ؎

ایں نہ نرگس کہ تو دیدی بسر افسر من بہ تماشائے تو بیرون شدہ چشم از سر من

نقل- ایک بار ایک ایرانی شہزادے نے یہ فرد پڑھا-

مقرر کردہ ام در دل ازیں درگاہ نخواہم رفت سر اینجا سجدہ اینجا بندگی اینجا قرار اینجا

بیگم صاحبہ نے فی البدیہ کہا ؎

چه آسان دیدهٔ زاہد طریق عشقبازی را

تپ اینجا آتش اینجا اخگر اینجا شعلہ نار اینجا

تضمین تو اس خوبی کی کرتی تھی کہ سبحان اللہ!

ایک بار مشاعرہ میں طرح ہوئی ؎

صبا را شرم مے آید بروے گل نگہ کردن

بیگم صاحبہ نے لکھا ؎

صبا را شرم مے آید بروے گل نگہ کردن

کہ رخت غنچہ را وا کرد نتوانست تہ کردن

ایک دفعہ طرح تھی ؎

دُرِ ابلق کسے کم دید موجود

سب نے عمدہ عمدہ تضمینیں کیں۔ مگر زیب النساء کی تضمین لاثانی ہے۔

دُرِ ابلق کسے کم دید موجود

مگر اشکِ بتانِ سُرمہ آلود

ایک مرتبہ طرح ہوئی ؎

آتشِ حسرت ز ہجرت در دلِ بلبل گرفت

اُس نے تضمین کیا ؎

در چمن خارِ جفایش ہمدمی با گل گرفت

آتشِ حسرت ز ہجرت در دلِ بلبل گرفت

دلیراں رادلیری بعد مردان بیشتر باشد

بیگم صاحبہ نے دوسرا مصرع لگا کر شعر بنادیا ؎

دلیراں رادلیری بعد مردان بیشتر باشد
کہ چرم گرگ شیر افگن پس از مردن سپر باشد

ایک بار کا ذکر ہے۔ مشاعرہ کی طرح تھی ؎

لخت لخت جگرم مضمحل آید بیروں

زیب النساء نے لکھا ؎

گر مرا شعلہ آہے ز دل آید بیروں
لخت لخت جگرم مضمحل آید بیروں

اس غزل میں دو شعر اور بھی ہیں۔ جو لطافتِ مضمون کے باعث قابل اندراج ہیں ؎

مہر نایاب چناں گشتہ کہ از غائت یاس | اشک از چشم یتیماں خجل آید بیروں
خواہ در انجمن شاہ بود خواہ گدا | بے طلب ہر کہ رود منفعل آید بیروں

حافظ رحمتہ علیہ کی ایک غزل پر تضمیں لکھی ہے۔ تضمیں کیا کی ہے غضب ڈھا دیا ہے۔ وہو ہذا ؎

ظاہر نشد کہ مطلب ایں دور دیگر چیست | رعنائیٔ گل و چمن لالہ زار چیست
پر کن ز قدح رنگیے کہ ندانیم کار چیست | خوشتر ز عیش و صحبت و باغ بہار چیست
ساقی کجا است گو سبب انتظار چیست

ساقی چہار فصل جہاں است روزگار | فصل دے و تموز و خزاں ست و نو بہار

باہر چہار فصل بود بادہ خوشگوار   ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار

کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

باشد چہ ابتدا ازل و انتہا عدم   موجود در میانہ کریم است ذوالکرم

ساقی بیار بادۂ گلگون و جام جم   ایں موسم بہار و گل و روضۂ ارم

جز طرف جوئبار و مے خوشگوار چیست

بے اختیار کار نہ صبر است و اختیار   زاہد بگو برائے خدا چیست کاروبار

ترک شراب و عشق خطا ہست در بہار   سہو و خطائے بندہ گرت نیست اختیار

معنی عفو و رحمت پروردگار چیست

دنیا و آخرت ہمہ ہر دو جمیلہ اند   آبادی و خرابی دمار او وسیلہ اند

گوئی درین میاں ہمہ در مکر و حیلہ اند   ہشیار و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند

با دل بعشوہ کہ دہیم اختیار چیست

او را کہ جام مے نتواند کسے خموش   حرفے ازیں ترانہ نخواہد کسے خموش

صوفی بایں نوا برساند کسے خموش   زاہد دروں پردہ نداند کسے خموش

اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست

عاشق نشاں داغ خود از داغ لالہ خواست   مخمور نشہ از مے صاف و پیالہ خواست

زیب النساء مراد خود از آہ و نالہ خواست   زاہد شراب کوثر و حافظ پیالہ خواست

تا در میانہ خواستۂ کردگار چیست

باوجودیکہ ایسے معرکے روز ہوتے تھے مگر ہم پردہ برابر قائم رکھی چھوٹی چھوٹی عمر تک کے بچوں کو سامنے آنے کی ممانعت تھی +

ایک دفعہ ایک ایرانی شہزادے نے جو شاعر تھا اور بیگم صاحبہ کا خواستگار بھی تھا طرحی غزل میں یہ شعر لکھا ؎

ترا اے مہ جبیں بے پردہ دیدن آرزو دارم
جمالت ہاے حسنت را رسیدن آرزو دارم

بیگم صاحبہ اُس کے مطلب کو تاڑ گئیں اور دوسرے روز جو غزل لکھی اُس میں پڑھا ؎

بلبل از گل بگزرد گر در چمن بیند مرا
بُت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
ہمچو بو پنہاں شدم در رنگ گل مانند گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

کہتے ہیں کہ علمی شغلوں کی ذہن میں لگے رہنے کی وجہ سے اور لوگوں کی تعریف سے اُس کے دماغ میں وہ مفاخرت پیدا کر دی تھی۔ کہ اُس نے کسی کی بی بی بن کر تابعداری کرنا اپنی عمر کے کسی حصہ میں گوارا نہ کیا۔ مگر یہ بیان درست نہیں معلوم ہوتا۔ وہاں دوسری بات کہ اُس کے چچاؤں اور عمو زاد بھائیوں کے ساتھ جو اُس کے باپ نے سلوک کئے تھے۔ اُن کو دیکھ کر بے ثباتی دنیا کا نقشہ دل میں کھینچ گیا اور لذائذ دنیوی سے نفرت ہو گئی تھی۔ قرین قیاس ہے +

مگر ایک تیسرا بیان ان دونوں بیانوں کی تردید کرتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ عالمگیر نے اُس کی نسبت داراشکوہ کے بیٹے سے کر دی تھی۔ لیکن جب

اُس کو ہلاک کرا دیا۔ تو اُس کے دل پر سخت صدمہ گذرا اور باپ کے اُس کام کو گو وہ کسی پولٹیکل مصلحت سے ہی کیا گیا تھا۔ سخت ناپسند کیا اور دوسری جگہ نسبت کرنا چاہی تو صاف انکار کر دیا +

بہر حال تمام عمر تارک رہی اور خاوند نہ کیا۔ اور اسی وجہ سے لوگ اُسے متہم کرتے ہیں۔ کہ اُس نے نفسانی خواہشات سے مجبور ہو کر عاقل خاں نامی اپنے باپ کے وزیر زادہ سے وہ ناجائز تعلقات پیدا کرنے چاہے جن کو اہل اسلام سخت معصیت اور اعلےٰ درجہ کی رسوائی اور بےعزتی خیال کرتے ہیں۔ مگر اس کا سچا اور صاف ثبوت کہیں نہیں ملتا اُس کے حالات پر جو تھوڑے بہت ملتے ہیں۔ جب غور کیا جاتا ہے۔ تو ہم اُسے لوث سے بالکل بَرّا پاتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عاقل خاں سے اُس کا خاص انس تھا۔ مگر وہ صرف اس کے ہمعصر شاعر ہونے کے باعث سے تھا اور وہ پاک محبت تھی۔ گو وہ اُنس باعث تکالیف ہوا۔ مگر جیسا لوگوں کا خیال ہے مندرجہ ذیل شعر سے غلط ثابت ہوتا ہے ؎

قسم بکعبۂ حاجات واحمد مرسل
کہ پاکبازئے من باعثِ گناہ من است

مجملاً اس طرح بیان ہے کہ شروع ۱۰۷۱ھ میں۔ شہنشاہ عالمگیر بیمار ہوئے حکیموں نے تبدیل آب وہوا کی صلاح دی۔ شاہ کو دار السلطنت سے باہر جانا پڑا اور پنجاب تشریف لائے۔ جب لاہور میں آئے تو یہاں کی آب وہوا طبیعت کے موافق پائی۔ شاہ نے یہاں زیادہ عرصہ تک ٹھیرنا

چاہا اور قبائل و حرم کو بھی اسی جگہ بلوالیا۔ زیب النساء بیگم بھی یہاں آئی مگر شاعری کا سلسلہ ساتھ ہی لائی۔ مشاعروں کا بازار گرم ہوا اور شعر و اشعار کے چرچے شروع ہو گئے +

اِن دنوں نواب عاقل خاں لاہور کا ناظم تھا اور وہ ہزاری کے اعلےٰ منصب پر ممتاز تھا گو خود بھی شاعر تھا۔ مگر لاجواب مضامین جو زیب النساء بیگم کی اعلےٰ طبیعت کا نمونہ ہوتے تھے سُن سُن کر دنگ ہوتا تھا۔

آخر الامر ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

اُس کے سر میں شوق دیدار سما گیا۔ آنکھوں سے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مختلف ذرایعہ سے کوشش کی۔ نامہ و پیام بھیجے۔ مگر جب کچھ پیش نہ چلی تو ہر روز حفاظت شہر اور گشت کے بہانہ سے خود محلات کے اردگرد چکر کاٹنے لگا۔ ایک دن جب نواب صاحب قلعہ کے شمال کی جانب دیوار سے نیچے نیچے جا رہے تھے۔ اس وقت زیب النساء بیگم اتفاقیہ گلناری رنگ کا جوڑا زیب بدن کئے ہوئے بام قلعہ پر ٹہل رہی تھی۔ نواب صاحب کی نظر اُس گل زینت و باغ حسن پر جا پڑی۔ دیکھتے ہی عنانِ اختیار ہاتھوں سے جاتی رہی۔ دل قابو سے نکل گیا۔ عشق کی وہ آگ جو پہلے کچھ یونہی سی سلگ رہی تھی۔ اب بھڑک اُٹھی چہرہ عرق عرق ہو گیا۔ خادم نے مضطرب دیکھ کر سبب مزاج دریافت کیا۔ عاقل خاں

بے تحاشا باواز بلند بولا ؎

سُرخ پوشے بلب بام نظر مے آید

زیب النسائ نے یہ آواز سن کر نیچے کی طرف دیکھا تو ایک خوبصورت نونہال کو جس کی آنکھوں نے شاید نئیس بہاریں بھی نہ دیکھی ہونگی۔ یا بمشکل اتنے ہی موسم سرما کے کڑاکے کے جاڑے اس کے سر سے گذرے ہونگے۔ مصرع بالا کو مکرر دھراتے سنا ہو سمجھ گئی کہ میری ہی نگاہِ ناز سے زخمی ہو گیا ہے۔ ذرا زیادہ غور سے دیکھنے لگی۔ اتنے میں پہلے کی طرح پھر عاقل خاں نے پڑھا۔

سُرخ پوشے بلب بام نظر مے آید

یہ بھی حاضر جواب تھی بھلا اس سے کب رہا جاتا تھا۔ فی البدیہ بولی ؎

نہ بزاری نہ بزور و نہ بزر مے آید

اتنا کہ کر پیچھے ہٹ گئی۔

نامرادِ محبت کا دستور ہے کہ دونو گھروں میں آگ لگاتی ہے ؎

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود

تا نسوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

جب تک عاقل خاں کو آنکھوں سے نہ دیکھا تھا۔ نامہ و پیام سب

---

[1] عاقل خاں عالمگیر کے وزیر کا بیٹا تھا۔ شاہ نے بنظر عاطفت اُسے لاہور کا ناظم کر دیا تھا۔ تن و توش میں مضبوط اور جیالا جوان تھا۔ جوانی اور تندرستی سے چہرے کے سُرخ اور سفید رنگ ہی اپنی جھلک دکھا رہی تھی گو وہ بہت حسین نہیں تھا۔ مگر صورت ایسی بھی تھی کہ کوئی نگاہ اُس پر پڑے اور ٹھہری

رو ہوتے تھے۔ آج اُس کی محبت ادھر بھی اثر کر گئی۔ مگر مبادا راز افشا ہو جائے۔ بڑے ضبط سے کام لیا۔ اور گھر کو پھر گئی۔ عاقل خاں بھی واپس ہوا۔ مگر دل وہیں چھوڑ آیا۔

کچھ دنوں تک دونو خاموش رہے۔ مگر دونو کے دل کسی کام میں نہ لگتے تھے اور ایک دوسرے کے دیکھنے کو ترستے تھے۔

زیب النسا بیگم کو بھی چونکہ لاہور کی آب وہوا بہت پسند آگئی تھی اس لئے اُس نے اُس سڑک پر جو انارکلی کی طرف سے ملتان کو جاتی ہے۔ ایک باغ بنوانا چاہا۔ اور عمارات شروع کرا دیں۔ ایک دن جب کہ باغ تیار ہو رہا تھا۔ معائنہ کے واسطے تشریف لیگئی۔ عاقل خان نے بھی سراغ لگانا شروع کیا۔ کہ شہزادی نے آج کدھر کا عزم کیا ہے جب پتہ لگ گیا تو موقع غنیمت سمجھ کر باغ تک پہنچا۔ معلوم ہُوا۔ کہ بارہ دری تیار ہو گئی ہے۔ اوپر کے مکانات زیر تعمیر ہیں۔ مگر اندر جانے کی کوئی صورت نہیں۔ شاہی پہرہ کے سپاہی چاروں طرف گشت کر رہے ہیں۔ عاقل خاں اُس وقت عقل کو کام میں لایا۔ اور جلدی سے واپس آکر مزدوروں کا بھیس بدل۔ گارے کا کونڈا سر پر رکھ۔ بے تکلف پہرہ کے اندر گھس گیا اور اُس جگہ پہنچ گیا۔ جہاں مستری کام کر رہے تھے عین

بقیہ نوٹ) گزر جائے چھوٹوں سے بھی چہرہ کی طرح رعب وداب پیدا تھا قدرت نے ہی اس نے کچھ نقش و نگار ایسے موزوں پائے تھے کہ اُس کی صورت کے دیکھنے والوں میں اُسکی عظمت یا عزت یا باتیں کرنے کی آرزو پیدا ہو جاتی تھی۔

اُسی مکان کے سامنے ایک تیار شدہ عمارت میں شہزادی سہیلیوں کے ساتھ چوسر کھیل رہی تھی - عاقل خاں نے اشارہ کیا - مگر چونکہ شہزادی کھیل میں مصروف تھی - اُس نے نہ دیکھا - تب بلند آواز سے بولا ؎

"من در طلبت گرد جہاں میگردم"

اتنا کہ کر مستری سے مخاطب ہُوا اور کہا "گیر استاد آہک" زیب النسا آواز سنتے ہی تاڑ گئی اور کھیلتے کھیلتے کہا ؎

"گر بادشوی بر سر زلفم نرسی"

اور سہیلیوں سے بولی "شش پنج دو یک" اور جلدی کھیل ختم کر کے چوسر اُٹھالی ❖

بادشاہ کچھ دنوں رہ کر دار السلطنت کو واپس تشریف لے جا چکے تھے صرف زیب النساء بیگم تکمیل عمارت کے لئے یہاں رہ گئی تھی - فلک بیرحم کا قاعدہ ہے - ؎

یہ وہ دل کو یک جا بٹھاتا نہیں
کسی کا اُسے عیش بھاتا نہیں

ایک بار کسی خواص سے شکر رنجی ہو گئی - اور اُس نے ایسی ویسی خبریں بادشاہ کے کان تک پہنچا دیں - بادشاہ یہ سن کر نہائت ہی برہم ہُوا - اور زیب النسا کو دہلی میں بلا کر شادی کرنے پر مجبور کیا - جب شہزادی نے دیکھا کہ بغیر میری شادی کئے بادشاہ باز نہیں آئیگا

نوِشتہ عرض کی کہ نکاح رسول مقبول کی سنت ہے - حکم خدا
ورسول کے بجا لانے سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا - مگر
میری آرزو یہ ہے کہ تمام اعلےٰ درجہ کے اراکین دولت اور اعیان
سلطنت کی تصاویر آپ طلب فرمائیں - اُن تصویروں کو دیکھکر
جس شخص کو میں پسند کروں - اُس کے ساتھ میری شادی کردیجائے
بادشاہ نے اِس تجویز کو پسند کیا - اور تمام ذی رتبہ لوگوں کی تصویریں
منگوائیں *

زیب النسا بیگم نے عاقل خاں ہی کی تصویر کو پسند کیا - بادشاہ
نے اُس کے نام رقعہ لکھا کہ " برخوردار زیب النسا بیگم کی شادی مجھے
منظور ہے اور اُس کا میلان طبع تمہاری طرف پایا جاتا ہے - اگر تمہیں
بحکم خدا و رسول اپنے عقد زوجیت میں لانا منظور ہے تو آؤ" ادھر یہ
شاہی رقعہ بھیجا گیا - اُدھر ایک امیر نے حسد کے مارے خفیہ طور پر ایک خط عاقل خاں
کو لکھ بھیجا کہ " دختر شاہ سے عشق کرنا بازیچۂ اطفال نہیں ہے - شاہ کو
آپ کی کارروائیوں کی خبر پہنچ گئی ہے - اب آپ تشریف لائے اور اپنے
عشق کا انجام بھگتئے" - ان دو نو خطوں کے پہنچنے سے عاقل خاں کو
خیال گذرا کہ ضرور میرا راز افشا ہو گیا - اور بادشاہ بغیر جان لئے پیچھا
نہیں چھوڑیگا - بہتر ہے کہ نوکری سے ہاتھ اٹھاؤں - یہ سوچ سمجھ کر
بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ شادی تو درکنار مجھے نوکری بھی منظور نہیں - شاہی
نمک میں نے بہت کھایا ہے - اب معاف رکھا جاؤں - اور ساتھ ہی نوکری

نے قید ہو کر خفیہ طور پر کہیں چلا آیا۔ زیب النساء بیگم کو جب یہ خبر
اُڑتے اُڑتے پہنچی تو اُسے از حد افسوس ہوا۔ اور ایک محرم راز کو لکھا ؎

شنیدم ترک خدمت کرد عاقل خاں بنادانی

حامل رقعہ لے کر جا رہا تھا۔ راستہ میں عاقل خاں مل گیا۔ اور اُس نے پوچھا "کدھر جا رہا ہے"۔ اُس نے کل حال بیان کیا۔ عاقل خاں نے وہ رقعہ لے کر اُس کی پشت پر لکھدیا ؎

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اور حامل رقعہ کو کہ دیا کہ "جا شہزادی کے پاس اُسے واپس لیجا بس یہی جواب ہے"۔ کچھ دنوں بعد سلسلہ آمد و رفت پھر شروع ہو گیا۔ عاقل خاں اکثر اوقات زیب النساء بیگم کے پاس جاتا تھا۔ شاہ کو لوگوں نے خبر دی مگر چونکہ کچھ ثبوت نہ تھا۔ اور اپنے ناموس کا بھی پاس تھا۔ اس لئے مصلحت وقت سوچ کر چپ ہو رہا۔ مگر جاسوس مقرر کر دئے۔ کہ جب عاقل خاں آئے حضور میں خبر دیجائے۔ ایک روز زیب النساء بیگم باغ میں تھی۔ عاقل خاں بھی موجود تھا۔ خبرداروں نے خبر کر دی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً ایک دستہ سپاہ جا کر تمام باغ کا ایسا مضبوط محاصرہ کر لے کہ ہوا تک باہر نہ جا سکے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور اورنگ زیب باغ میں داخل ہوا۔ کسی خواص نے یہ خبر زیب النساء بیگم اور عاقل خاں تک بھی پہنچا دی۔

دو تو یہ خبر وحشت اثر سن کے بید کی طرح تھرانے لگے منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ عاقل خاں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا کہ مجھے کہیں چھپاؤ زیب النسار جو خود حواس باختہ ہو رہی تھی۔ کہنے لگی کہ کہاں چھپاؤں مگر جان ایسی عزیز ہوتی ہے۔ کہ اُس کے بچاؤ کی خاطر انسان اکثر ناجائز حفاظت بھی کر گزرتا ہے۔ زیب النساء نے عاقل خاں کو ایک بڑی سی دیگ میں بٹھلا کر سرپوش سے ڈھک دیا۔ اورنگزیب نے باغ کا پتہ پتہ چھان مارا۔ مگر کہیں مطلوبہ کا پتہ نہ ملا۔ آخرالامر تمام خواصوں کو بلا کر پوچھا۔ کسی کو دھمکایا۔ کسی کو انعام کا وعدہ فرمایا۔ مستورات کمزور طبیعت مشہور ہیں۔ ایک خواص نے بتلا دیا کہ فلاں دیگ میں چھپا رکھا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر فوراً اس دیگ کے پاس آیا۔ اور زیب النساء بیگم کو بلوا کر پوچھا۔ کہ اس دیگ میں کیا ہے۔ زیب النسائے ڈرتے ہوئے کہا۔ کہ پانی گرم کرنے کے لئے بھرا ہُوا ہے۔ شاہ نے کہا پھر گرم کیوں نہیں کیا گیا۔ بولی ابھی تیار ہو جاتا ہے۔ شاہ نے کہا ابھی اس کے نیچے آگ جلا دو۔ زیب النسا دم بخود ہو گئی۔ دو طرفہ مصیبت میں گرفتار تھی۔ باپ کے حکم سے بھی نافرمانی نہیں کر سکتی تھی۔ اور عاشق صادق کو بھی چولھے پر نہیں دھر سکتی۔ کچھ دیر تک خاموش رہی۔ مگر جب شاہ نے دوبارہ باصرار حکم دیا تو جان لیا کہ باپ اس بدقسمت جانباز کی جان لئے بغیر نہیں جائیگا۔ مجبوراً دیگ کے نیچے آگ جلوا دی۔ اور دبی ہوئی آواز سے

دیگ کے پاس کھڑے ہو کر کہا ع

دم باش مثال کلہ بارے

یعنی اے عاقل خاں اگر تو میرا عاشق صادق ہے۔ تو میری ناموس کی خاطر جان دے دینا۔ مگر آواز نہ نکالنا جیسے بکرے کی سری پک پک کر گل جاتی ہے مگر آواز نہیں نکالتی دل جس طرف لگا ہوا ہوتا ہے اُس کے حصول کے واسطے انسان اخیر دم تک امیدوار رہتا ہے۔ زیب النساء نے آگ بہت آہستہ آہستہ جلوائی۔ اس خیال سے کہ بادشاہ چلا جائے۔ تو نیم بسمل ہی نکال لوں مگر ع

تقدیر کے لکھے کو مٹاتا نہیں کوئی

بھلا قضا کیونکر ٹلتی۔ جب تک دو ڈھائی من لکڑیاں دیگ کے نیچے نہ جل چکیں اور اُس کا گوشت گل کر حلیم نہ ہو گیا۔ اورنگ زیب بیٹھا رہا۔ مگر واہ رے عاشق! صادق القدمی ہو تو ایسی ہو۔ جل کر راکھ ہو گیا مگر اُف تک نہ کی۔ ڈاکٹر برنیر نے اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا ہے اور اپنے سفرنامہ میں درج کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میں نے کبھی کسی کو ایسی بہادری اور ثابت قدمی سے جان دیتے نہیں دیکھا۔ نہ سنا جیسا کہ عاقل خاں نے جان دی۔

بعض مورخ لکھتے ہیں کہ عاقل خاں کو جلا کر اورنگ زیب نے اپنی بیٹی کو بھی قید میں ڈال دیا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اس بات پر نہیں۔ بلکہ شہزادہ اکبر سے جو باپ سے باغی ہو گیا تھا۔ خط و کتابت

کرنے کی وجہ سے زیب النساء قلعہ سلیم گڑھ میں قید کی گئی تھی بہر
حال کسی باعث سے قید ہوئی ہو۔ مگر قید میں ضرور رہی۔ جس کا ذکر
وہ خود بعض غزلوں میں کرتی ہے۔ مثلاً ؎

دردا کہ ز قید ستم آزاد نگشتم | یک لحظہ ز غمہاے جہاں شاد نگشتم
گرچہ پا زنجیر مخفی زد بدیوارِ غمم | شکر اللہ کز جفاے ہمگناں آلودہ ام
دل من اسیر مخفی بہ بلاے ہجر تا کے | بجز ہواے وصلت گنہ دگر ندارم
تا مرا زنجیر در پائے دل دیوانہ شد | دوست شد دشمن مرا و آشنا بیگانہ شد

بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ قید میں رہائی کے لئے تڑپتی تھی
اور دن گنتی رہتی تھی۔ چنانچہ ایک شعر میں کہتی ہے ؎

مخفی امید رہائی تا بروز حشر نیست
خاک غربت ہر کہ را در جہد دامنگیر شد

جب اسیری سے رہائی ہوئی۔ تو باقی عمر دہلی میں اقامت گزیں رہی
مگر گوشہ تنہائی اختیار کر لیا تھا۔ اور سب سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا
ہاں! اپنی تاریکی کے اجالے اور تنہائی کے رفیق یعنی شاعری سے تھوڑا
بہت سروکار رکھا تھا۔ جس سے وہ زمانے کی بیوفائی۔ حاسدوں اور
حریفوں کے بے جا مظالم کی شکایتیں کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ کہتی
ہے ؎

(۱) دگر مخفی چہ فکر نام و ننگ است
حریفاں چوں ترا بدنام کردند

(۲) روز نومیدی چو آید آشنا دشمن شود
غم جدا شادی جدا دوست جدا دشمن شود
نیست مخفی در دل با ما کسے چوں دشمنی
ہر کہ با ما دشمن است او را خدا دشمن شود

(۳) شکوه از بیگانگان و آشنایان چوں کنم
مخفیا روز ازل بخت زبونم داده اند

چونکہ خود تجربہ ہو چکا تھا۔ ایک مقام پر کہتی ہے۔ کہ معاملہ عشق میں کسی کو ہمراز نہ بنانا چاہیئے ؎

رہ عشق است اے مخفی مجرد بایدت رفتن
کہ گر عیسے بود ہمراہ رفاقت را نمے شاید

ناصر علی نے ایک بار ایک قطعہ لکھ کر خدمت میں روانہ کیا ؎

زرعنائی نکردی سیر بیروں از مقام خود
کہ چوں طاؤس در صد چاہ تاریکی بدام خود
تماشا کرده ام باغ و بہار بید باغی را
پس از عمر علی بر خویش میخوانم کلام خود

مگر اس کا جواب کچھ نہ آیا۔

اس مقام پر ایک اور لطیفہ بھی قابل اندراج ہے۔ بیگم صاحبہ بعد رہائی جب دہلی میں تشریف فرما تھیں۔ تو یہ قطعہ اپنے حسب حال لکھا ؎

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد
کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد
صد بہار آخر شد و ہر گل بفرقے جا گرفت
غنچۂ باغ دلِ ما زیب دستارے نشد

یار لوگوں نے جو خواہ مخواہ اس سے چھیڑ چھاڑ رکھا کرتے تھے۔ جب اس قطعہ کو سنا تو اس پر طرح طرح کے مذاق اڑائے اور پیروز خاں نے ایک مصرعہ اپنی طرف سے لگا کر اُس کو مخمس کر دیا ؎

پیر شد زیب النساء لیکن خریدارے نشد

وفات

آخر وقت تک دہلی میں ہی اقامت گزیں رہی۔ سنہ ۱۱ھ میں ایک دن شام کو بھلی چنگی سوئی۔ رات کو تشنگی معلوم ہوئی۔ خادمہ نے پانی دیا۔ صبح کو تپ معلوم ہوئی۔ سات روز بیمار رہی۔ اور آٹھویں دن راہی ملکِ عدم ہوئی۔ اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون ؕ

محمد محی الدین عالمگیر اِس وقت پٹھان پور میں تھا۔ وہیں۔ اُس کا وصیت نامہ منگوایا اور اُسی کے بموجب نعش لاہور میں لائی گئی۔ اور اُس باغ میں جو اُس نے نواں کوٹ کے قریب بنوایا تھا۔ دفن کی گئی تاریخ وفات اُس کی جو کسی شاعر نے لکھی ہے بہت ہی عجیب ہے ؎

آہ زیب النساء بحکمِ قضا　ناگہاں از نگاہ مخفی شد

منبع علم و فضل و حسن و جمال | ہمچو یوسف بچاہ مخفی شد
سال تاریخ از خرد جستم | گفت ہاتف کہ ماہ مخفی شد

اس باغ کو معہ ایک مقبرہ کے زیب النساء نے اپنی واسطے اپنی حین حیات میں تیار کرایا تھا۔ چار دیواری اس باغ کی پختہ اور چار دروازے تھے۔ اب شمالی دروازہ اور دروازہ کلاں شرقی موجود ہیں۔ مشرقی دروازہ کلاں کے چاروں گوشوں پر چار مقطع برجیاں کانسی کا ربارہ بارہ در کی بنی ہوئی ہیں۔ دروازہ کی وسعت اس قدر ہے کہ ہاتھی بمعہ عماری گذر سکتا ہے۔ مگر زمینداروں نے اب اُسے بند کر دیا ہے۔ اس دروازہ کی عمارت اور نشست گاہیں قابل دید ہیں۔ یہ دروازہ اب ایک نمبردار کے قبضہ میں ہے اور جولاہے کرایہ دار رہتے ہیں۔ شرقی باغ کے دروازہ کے گوشوں پر جو دو برج شالامار باغ کے برجوں کی طرح کے ہیں۔ اب تک موجود ہیں۔ دوسری ڈیوڑھی شمالی بھی قدیم ڈیوڑھی ہے۔ جس میں اب گاؤں والوں کی آمد و رفت ہے اور ایک خورد دروازہ جنوب کی طرف ہے۔ نصف باغ میں اب موضع نواں کوٹ آباد ہے۔ کیونکہ مقبرہ زیب النساء بیگم اس باغ کے وسط میں تھا اور اب غربی دیوار موضع کے ساتھ ملحق ہے۔ اپنے وقت میں نہایت آراستہ تھا اور شالامار باغ سے دوسرے درجہ پر گنا جاتا تھا۔ اس باغ کی سڑکیں سب سنگ سُرخ کی تھیں اور حوض اور شاہ نشینیں سنگ مرمر کی۔ مقبرہ بھی نیچے سے اوپر تک سنگ مرمر کا تھا اور طلائے خالص کا

کلس اُس پر نصب تھا ÷

جب سلطنت اسلامیہ جاتی رہی اور سکھا شاہی تاریکی نے پنجاب کو گھیر لیا اور لاہور میں تین حاکم ایک شہر کے مقرر ہوئے تو مقبرہ مع باغ نواب وزیر خاں - عمارات شمالی سمت لاہور وغیرہ سوبھا سنگھ احد الحاکم کے ماتحت آ گئیں - اس کے اہلکاروں میں ایک شخص محکم دین نامی از قوم ارائیں تھا اور یہ تمام باغات اُس کے سپرد تھے اُس نے اس باغ کو باجازت سوبھا سنگھ اپنا مسکن بنا کر آباد کیا اور اس کا نام نواں کوٹ رکھا - غربی دیوار اُس نے گرا کر مکانات بنوائے - فوارے سنگ مرمر کے اور خیابان سب اکھڑوا دیں - حوضوں کو بند کروا دیا - پتھر فروخت کر دئے - مگر مقبرہ بدستور رہنے دیا - اب جا کر دیکھو تو اور بھی بوسیدہ ہو گیا ہے - اگر جلد تر اس کی خبر نہ لی گئی تو ایک دن کھنڈر ہو جائیگا اور عنقریب کوئی نشان ایسا باقی نہ رہیگا - جس سے معلوم ہو کہ ہندوستان کی بے نظیر شاعرہ کہاں اور کس جگہ دفن ہوئی تھی ÷

باوجودیکہ زیب النساء کفایت شعار تھی - تاہم اُس کی فیاضیاں بہت مشہور ہیں - صرف چار لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر اُس کے نام تھی جو علمی شوق کے پورا کرنے میں خرچ ہوتی تھی - پھر بھی کچھ نہ کچھ بچا کر مختلف فیاضیوں میں خرچ کرتی تھی - ہر سال سینکڑوں حاجیوں کو اپنے پاس سے زادراہ دیکر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھیجتی تھی -

ہزار ہا یتیم بچوں اور بیواؤں کی پرورش اس کی طرف سے ہوتی تھی۔ لاہور
کا باغ جو بنام "چوبرجی والا باغ" مشہور ہے۔ اُس نے اپنی کفایت شعاری
سے روپیہ بچا کر بنوایا تھا۔ ایک دن باغ میں تشریف فرما تھیں۔ میا بائی
بھی ساتھ تھی۔ باتوں باتوں میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر چل پڑا۔ آہ سرد بھر
کر بولی۔ حضور عمارات اور اولاد سے کچھ مدت کے لئے دنیا میں نام رہجاتا
ہے۔ ایک ہم ہیں کہ خدا نے اولاد بھی زندہ نہ رکھی اور نہ اتنا روپیہ دیا ہے کہ
کوئی عمارت بنوا کر چند روزہ نام چھوڑ جاتے۔ اِن الفاظ کا زیب النساء
کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اُس کی رگِ فیاضی جوش میں آگئی۔ اور اُس نے
دایہ کی دیرینہ خدمات پر نظر کر کے یہی باغ اُس کو عطا کر دیا۔ مشرقی دروازہ
پر جو قطعہ لکھا ہوا ہے وہ یہ ہے:-

بنا پذیر شد ایں باغ روضۂ رضواں

(دوسرا مصرعہ خراب ہوگیا ہے پڑھا نہیں جاتا)

بگشت مرحمت ایں باغ بر میا بائی

زلطف صاحب زیبندہ بیگم دوراں

اب باغ نہیں رہا صرف چند ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات انارکلی کے
جنوب کی جانب باقی رہ گئے ہیں۔ مگر تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ
باغ اپنی صنعت میں اعلےٰ درجہ کا نمونہ تھا۔ چونکہ اس میں چار مینار
دروازہ پر تھے۔ اِس لئے یہ باغ اب تک چوبرجی والا باغ کے نام سے مشہور ہے
اس باغ کا عالیشان محرابی دروازہ مشرق کی سمت ہے۔ دو تو طرف چوکیاں

بنی ہیں اور اندر دروازہ کے شمال وجنوب کی سمت دو شہ نشینیں دو منزلہ بنی ہیں۔ مینار ہشت پہلو مقطع ہے۔ جس پر کانسی کا کام ہے۔ اندر کی عمارت پر بھی کانسی کا کام نظر آتا ہے۔ دروازہ کلاں کے اوپر دو فٹ نیچے منڈیر سے مطول کتبہ ہے۔ اس میں قرآنی آیات میں سے وہ متبرک آیت جس کا نام آیت الکرسی ہے بخط عربی تحریر ہے۔ دوسرے کتبہ میں اشعار بخط فارسی تحریر ہیں۔ اس دروازہ کی منڈیروں کے نیچے تین کھڑکیاں قالبوتی بنی ہوئی ہیں۔ اندر جاتے ہی شمال وجنوب میں مثمن مکان ہے جس کی چھتیں قالبوتی اور گنبدی ہیں۔ اس کے آگے ایک اور مکان قالبوتی جس کے دو درجے ہیں موجود ہے۔ اس سے آگے متصل مینار غربی ایک عمدہ شہ نشین بنی ہوئی ہے۔ اس پر کانسی کا کام ہے اور منزلِ ثانی کے دروازوں پر دونوں جانب مرغول پر لفظ اللہ تحریر ہے اور بازار جنوبی پر ایک کتبہ ہے جس پر کچھ لکھا ہوا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا صرف اس قدر پڑھا جاتا ہے ؎

...... بروساخت۔ میا بائی چوں روضہ عالی ارم

اوپر جانے کے لئے اب کوئی راستہ نہیں ہے اور نہ اندر کی محراب موجود ہے +

باغ کی موجودہ حالت

آہ وہ باغ جو ایک دن باغ ارم کا نمونہ ہوگا۔ آج ناگفتہ بہ حالت میں ہے

ہاے وہ چمنستان جس میں سیر کناں کے دماغ خوشبوؤں سے معطر ہوتے ہونگے آج جنگل ہو گیا ہے۔ وہ نسیم سحری جو اس گلزار سے گذر کر پژمردہ دلوں میں جان سی ڈالدیتی ہوگی۔ آج باد سموم کے ہوڑن چل رہی ہے۔ باغ ویران ہو گیا ہے۔ پھولوں کی کیاریوں میں سکھوں کی دست برد سے ایک بوٹا تک نہیں بچا زمینداروں نے روشوں اور خیابانوں کو بگاڑ کر فصل بونے کے کھیت بنا لئے ہیں البتہ کہیں کہیں پرانے درخت جو دست برد اور حوادث زمانہ سے بچ رہے ہیں اُس کی پرانی عظمت اور شان کی شہادت دے رہے ہیں +

وہ مقبرہ جس میں شہزادی زمانے کے جھگڑوں سے آزاد اور آرام و راحت میں میٹھی نیند سوتی ہے اُس کی صورت ایسی متغیر ہو گئی ہے کہ دہلی کے کھنڈرات بھی اُس سے اچھے نظر آتے ہیں۔ ٹوٹے پھوٹے گنبد اور شکستہ چار دیواری کچھ ایسی بے سروسامانی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے کہ دیکھتے ہی انقلاب روزگار کا نقشہ آنکھوں میں کھینچ جاتا ہے +

مولف ایک دن دیکھنے کے لئے وہاں گیا تو دیرینہ لوگوں سے معلوم ہُوا کہ ایک شخص محکم دین ارائیں کا جس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو جنگ کے موقع پر بہت مدد دی تھی۔ مہاراجہ کے آگے بہت اقتدار ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہر ایک امر میں خواہ ملکی ہو یا خانگی رنجیت سنگھ اُس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ ادھر ایک طوائف موراں نامی کا ایسا ہی بلکہ اِس سے بھی زیادہ اقتدار تھا یہاں تک کہ موراں شاہی گنا اور موراں شاہی باٹ اِس کے نام پر چلتے تھے۔ نور جہاں کیطرح موراں شاہی سکّہ بھی اُس کے نام پر تھا۔ ایک دن رنجیت سنگھ کے روبرو ہی کسی بات پر

موراں طوائف اور محکم الدین میں بگڑ گئی اور نوبت بانیجا رسید کہ موراں نے کہا اگر تیرے سر پر ٹوکرا رکھوا کر ٹکے ٹکے کا ساگ نہ بکواؤں تو موراں نام نہیں محکم دین نے جواب دیا جو تجھ سے ٹکے ٹکے پر برا بھلا نہ کرایا تو مجھے محکم دین نہ کہنا اس طرح کی علانیہ گفتگو مہاراجہ رنجیت سنگھ کو سخت ناگوار گذری اور وہ محکم دین سے یک لخت پھر گیا اور موراں کی ایما سے دوسرے دن اُس کی جائیداد کی ضبطی کا حکم دیا اِن دنوں بارہ دری قلعہ کے آگے بن رہی تھی۔ وہاں پتھر کی ضرورت تھی۔ سکھ جب مکان ضبط کرنے کو نواں کوٹ گئے تو پتھر تک اُتروا لائے اور مقبرہ ویران کر لئے ہ

آں قصر کہ بر چرخ ہمیزد پہلو　　بر درگہ او شہاں نہادندے رو

دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختہ　　بنشستہ ہمیگفت کہ کوکو۔ کوکو

پچھلے دنوں میں گورنمنٹ نے پرانے عمارات کی مرمت پر کچھ روپیہ صرف کیا تھا دیرینہ اور شکستہ عمارات کی فہرست بنائی گئی تھی تو اس مقبرہ کا نام بھی لکھا گیا تھا۔ اُسوقت چونہ سے تھوڑی بہت پچی کاری ہو گئی تھی۔ مگر اب پھر وہی حال ہے +

اس مقبرہ پر خدا جانے کس کا قبضہ ہو گیا ہے۔ جس نے چاروں دروازوں کو پھونس کی ٹٹیاں لگوا کر بند کر دیا ہے اور اُس میں مرغیاں پال رکھی ہیں۔ جس سے مقبرہ غلاظت سے بھرا رہتا ہے اور مرغیوں کی حفاظت کے لیئے ایک کتا پالا ہوا ہے جو زائروں کی مزاج پرسی کر لیتا ہے اور اُس وقت کسی کی پیشیں گوئی جو دلی والوں کے بارے میں تھی یاد آجاتی ہے +

جنگل کے وحشی جانور تجھ میں بسیرا لینگے اور تیرے گھروں میں نہایت منحوس جانور چیخیں اور چلائینگے۔ دروں پر اُلّو پاسبانی کرینگے۔ اور عشرت منزلوں میں بندر ناچینگے +

زیب النساء بیگم اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ علم دوست تھی۔ لائق آدمیوں کی قدر کرتی تھی۔ مصنفوں اور شاعروں کو اُن کی تصانیف کے صلہ میں مالا مال کرتی تھی۔ اُس نے خوشنویسوں اور کاتبوں کو نوکر رکھ کر عمدہ اور لاجواب اور نایاب کتابوں کی نقلیں بہم پہنچائیں اور اس طرح سے وہ لاجواب کتب خانہ قایم کیا جس کا شہرہ ایران اور توران تک پہنچ گیا۔ کشمیری کاغذ اور وہاں کے خوشنویس چونکہ اُس زمانہ میں بہت مشہور تھے اس لئے زیب النساء نے بجیت کا لحاظ کر کے محمد محی الدین عالمگیر سے اجازت حاصل کی اور وہاں کتابت کا دفتر قائم کیا۔ وہاں سے کتابیں تیار ہو کر اُس کے پاس آتی تھیں اس دفتر کا انتظام مُلّا محمد شفیع الدین صاحب کے سپرد تھا اور اُن کو تنخواہ بھی زیب النساء کی سرکار سے ملتی تھی۔ مُلّا صاحب نے باستمداد مُلّا عنایت احمد صاحب کلام مجید کی تفسیر بنام زیب النساء تالیف کی اور اس خوبصورتی اور آراستگی سے تیار کرایا کہ خود عالمگیر دیکھ کر پھڑک گیا۔ یہ نسخہ اب تک دولت ایران کے کتب خانہ میں موجود ہے +

ایک مثنوی مولوی معنوی کے ڈھنگ پر لکھی گئی ہے۔ مگر چھپی نہیں اس مثنوی میں کوئی دو سو شعر ہونگے۔ معرفت کا دریا بہا دیا ہے۔ اور کتابیں بھی بنام نامیہ تصنیف ہوئی تھیں۔ مگر اب پتہ نہیں چلتا ہے +

اس کا قاعدہ تھا کہ صبح اُٹھ کر حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر نماز پڑھتی تھی۔ بعدہٗ تلاوت قرآن شریف۔ پھر کتابیں جو تیار ہو کر آتیں اُنکا مطالعہ کرتی پھر کسی دیوان کو لیکر دیکھتی تھی۔ اُس میں سے جو طرح پسند آتی اُس پر آپ غزل لکھتی تھی ÷

دیوان حافظ کا اکثر مطالعہ رہتا تھا اور زیادہ تر غزلیں دیوان حافظ کی طرح پر لکھی گئی ہیں اور عمدہ لکھی گئی ہیں ÷

لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ شروع میں جو غزلیں لکھتی تھی مقطع میں اپنا تخلص نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ دارا شکوہ کے نام (جس کے ساتھ اُس کا بہت پیار تھا) موسوم کر لی تھی۔ دیوان دارا شکوہ میں اکثر غزلیں اس کی تصنیف سے ہیں۔ چنانچہ دیوان دارا شکوہ کا پہلا شعر یہ ہے ÷ شعر

ہمہ موجود در وجود ما

گنج مخفی است این نمود ما

سو یہ اشارہ زیب النساء کی طرف ہے۔ جس نے دیوان مرتب کرنے میں بہت کچھ مدد دی تھی۔ اس میں جائے کلام نہیں کہ شاعری میں اُس نے فنا فی الشعر کا رتبہ حاصل کر لیا تھا۔ دن رات اُسے شعر بنانے کی دُھن لگی رہتی تھی۔ مگر افسوس کہ اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی خاندان تیموریہ میں فتنہ و فساد برپا ہو گئے۔ جو ایک عرصہ دراز تک فرو نہ ہو سکے۔ ایسے وقت میں علمی معلومات کی طرف توجہ ہونا ناممکنات سے ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ زیب النساء کی ساری تصانیف اب تک دستیاب نہیں

ہو سکیں۔ اور تو اور دیوان بھی مکمل نہیں ملتا۔ اس کے اشعار اس پریشانی سے ادھر اُدھر پڑے ہوئے ہیں۔ کہ جن کا سمیٹنا نہایت ہی دشوار ہے اور اسی باعث سے کوئی اس تکلیف کو گوارا نہیں کرتا۔ ۱۱۳۵ھ میں اس کا کلام جو دستبرد اور حوادث زمانہ سے بچ رہا تھا جمع کیا گیا اور دیوان مخفی نام رکھا گیا مگر یہ بالکل نامکمل تھا۔ اسمیں صرف ۲۱۴ غزلیں اور چند رباعیات تھیں اور بس ۱۱۴۱ھ میں پھر کوشش کیگئی اور ۸۰ سے زیادہ غزلیں اور رباعیات جو دیوان میں شامل کیگئیں + بعدہٗ اس کی بہت سی نقلیں بھی کیگئیں۔ اور جہانتک ہو سکا زیادتی بھی ہوتی گئی۔ مؤلف نے بہت سے نسخے دیکھے ہیں۔ مثلاً

پہلا نسخہ۔ مولوی حسن علی اکبر آبادی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ سنہری جدول ہے خط نہایت پاکیزہ مگر گنجان خاتمہ پر ۱۱۴۸ھ تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاید پہلا نسخہ ہوگا جو دیوان مرتب کرنے کے بعد نقل کیا گیا تھا +

دوسرا نسخہ۔ خط نسخ میں ملا۔ مگر اکثر مقامات پر کتابت میں غلطیاں تھیں کاتب کا نام پڑھا نہیں جاتا۔ صرف ..... خاں بیگ پڑھا جا سکتا ہے سنہ بھی مٹ سا گیا ہے۔ مگر جب خوردبین سے دیکھا گیا تو ۱۱۹۶ یا ۱۱۷۶ معلوم ہوتے ہیں +

تیسرا نسخہ۔ مسٹر مور کے پاس دیکھا گیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں کابل میں ہاتھ لگا تھا۔ یہ بہت عمدہ ہے۔ اس نسخہ کی خوبی نہ صرف اس کی صحت اور خوشخطی پر منحصر ہے بلکہ جدولوں پر نہایت ہی خوبصورت کام کیا ہوا ہے۔ سنہ کتابت تو معلوم نہ ہو سکا۔ مگر بوسیدگی کاغذ و طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت پرانا ہے کم از کم سو سال کا لکھا ہوا ہوگا +

چوتھا نسخہ۔ منشی رحیم بخش صاحب (پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ) کے پاس سے آیا یہ گو خوشخط نہیں ہے۔ مگر اس میں غزلیں سب سے زیادہ ہیں۔ یہ تازہ لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے تو بھی چالیس سال سے کم پرانا +

پانچواں نسخہ۔ سید بہادر شاہ صاحب سوداگر عجائبات کے پاس سے ملا۔ گو اس کا خط معمولی اور بے قاعدہ ہے مگر اکثر مقامات پر غلطیاں پائی گئیں جو کاتب کی کم علمی کے باعث سے تھیں۔ کاتب کا نام حسن علی ہے۔ مگر سنہ کتابت ندارد ہے +

چھٹا نسخہ۔ ایران کا چھپا ہوا تھا۔ یہ بھی مثل نسخہ بالا کم و بیش غلط تھا۔ مگر خط پاکیزہ تھا +

ساتواں نسخہ۔ پنجاب پبلک لائبریری میں دیکھا گیا ہے۔ یہ بھی قلمی ہے مگر صحت اور خط میں نہایت وقعت کے قابل ہے یہ سنہ ۱۲۱۳ کا لکھا ہوا ہے +

آٹھواں نسخہ۔ مطبع نولکشور لکھنؤ کا چھپا ہوا مگر نا مکمل ہے +

نواں نسخہ۔ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ کا چھپا ہوا مگر نا مکمل ہے +

دسواں نسخہ۔ یہ بھی مطبع نولکشور لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ اس کا کاغذ بہ نسبت دونو پہلوں کے قدرے عمدہ ہے اور خط بھی صاف ہے +

گیارھواں نسخہ۔ یہ بھی منشی نولکشور کے مطبع کا چھپا ہوا ہے۔ اسمیں چند اور غزلیں زیادہ ہیں +

بارھواں نسخہ۔ ایضاً

تیرھواں نسخہ۔ ایضاً

چودھواں نسخہ - ایضاً

پندرھواں نسخہ - یہ بھی مطبع منشی نولکشور کا چھپا ہوا ہے مگر کانپور میں طبع ہوا - اس کے ۱۰۰ صفحہ ہیں - خط معمولی مگر غلطیاں بہت +

سولھواں نسخہ - یہ آفتاب پریس کا چھپا ہوا ہے اور عمدہ طور سے تکمیل کو پہنچایا گیا ہے - کاغذ اور کتابت لایق تعریف ہے مگر ناکمل ہے +

سترھواں نسخہ - یہ لاہور میں چھپا ہے مگر ایسا عمدہ نہیں جیسا ہونا چاہیئے +

افسوس زمانہ کی ناقدردانی نے اسکی محنت کی داد اچھی طرح سے نہ دی سوائے ایک دیوان کے اور کوئی اسکی تصنیف نہیں چھپی ہے - دیوان بھی جو آجکل بازاروں میں ملتا ہے بالکل ناکمل ہے - دیوان کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے کلام میں بلند پردازی رنگینی - نازک خیالی وغیرہ تو بہت کچھ ہے مگر تاثیر کم - سو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عورت تھی اگر مرد ہوتی تو خدا جانے کیا ستم ڈھاتی پھر بھی ہر ایک بات کو نہایت خوش اسلوبی سے نباہا ہے تمثیل تشبیہ - استعارہ کو اپنی صنعت میں نئی ترکیب دیکر ایسی دستکاری اور میناکاری کی ہے کہ بعض مقام پر ہمعصر تو کیا - شعرائے متقدمین سے بھی میلوں اونچی اڑگئی ہے +

شوکت الفاظ زبان حال سے چلا چلا کر بتلا رہی ہے کہ اگر قصیدہ مدحیہ لکھتی تو لاجواب لکھتی مگر اُس طرف توجہ ہی نہیں ہوئی البتہ نعتیہ قصاید لکھے ہیں سو انکا طرز ہی جدا ہوتا ہے ایران میں اسکا دیوان خوب مقبول ہوا ہے وہاں کے قدرشناسوں نے اُسکو قبولیت کی الماری میں بڑی خوشی سے جگہ دی ہے کیونکہ زبان نہایت ہی سادہ اور طرز بیان دلکش اور دلفریب ہے اور زمانہ کے مذاق کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے اسکا کلام

ہندوستان میں بھی نہایت عظمت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اسکی عظمت اور بزرگی زیادہ تر اس بات سے مفہوم ہوتی ہے کہ یہاں والوں نے اُسکے بہت سے مضامین کو تھوڑا سا رد و بدل کرکے اردو کا لباس پہنا کر فخر کیا ہے چنانچہ زیب النساء کا شعر ہے۔ **شعرؔ**

بس کہ در دل داغ دارم لالہ روید از زمیں   بعد مردن گر مرا مدفون بزیرِ گل کنند

اس مضمون کو اردو زبان کے شاعر نے یوں لیا ہے +

پھول نرگس کے اُگینگے قبر پر   مر گیا ہوں انتظارِ یار میں

دوسرا شعر ہے۔

بزیر خاک بہ نعشم چہ حاجت کفن است   شہید تیغ محبت زخون کفن دارد

اس کا ترجمہ یوں لیا ہے۔

ہمیں غسل میت کی حاجت ہو کیونکر   ہم اپنے ہی خوں میں نہائے ہوئے ہیں

ایک اور شعرؔ ہے۔

حق مجنون است ترک کوئے لیلے امیکند   عشق چوں غالب شود مسکن بیاباں میشود

ترجمہ مضمون۔

ہم تو مرینگے یار کی دیوار کے تلے   مجنوں کو تھا جنون جو بیاباں میں رہ گیا

ایک اور شعرؔ

در نہاں خونیم ظاہر رنگئے نار کنم   رنگ من دامنِ نہاں چو رنگ سُرخ اندر حناست

ترجمہ۔

ظاہر میں میرے حال کو سرسبز نہ جانو   باطن میں پر از خون ہوں مانند حنا کے

عرب اور عجم کے شعراء کے کلام نے زیادہ تر عشق اور حُسن کے دلچسپ مکالموں

کے باعث سے فروغ پایا ہے۔ اسکی وجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ عجم کے لوگ گل و بلبل کے مضامین کی بہ نسبت نیچرل مضامین کی زیادہ قدر کرتے تھے اور جب شعرا نے جن کو عام کی جانب سے واہ واہ حاصل کرنا ہر وقت مدنظر ہوتا تھا۔ لوگوں کی طبیعت کو اس طرف گرویدہ دیکھا تو شہرت حاصل کرنے کیواسطے اسی طرف در طبیعت لگانا شروع کر دیا اور نازک سے نازک باریکیاں نکالیں +

چونکہ ہندوستان شاعری کے فن میں ایران کا مقلد ہے اسلئے زیب النساء بیگم کو بھی تقلید کرنی پڑی اور پرانی ہی طرز کو اختیار کیا تاہم سارے دیوان میں ایک بھی ایسی غزل نہ ہوگی جسمیں اُس نے کمال آزادی اور حق گوئی سے اہل دنیا کو نصیحت اور پند سے ممنون نہ کیا ہو +

بلکہ اس کا سارا دیوان ہی معرفت اور موعظت کا دریا ہے اس مقام پر اُسکے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن سے بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے چنانچہ کہتی ہے +

(۱) زمانہ کی شکایت بیجا ہے۔

زبان حوصلہ باد ابریدہ آنکس را　　که بپیش غیر شکایت زروزگار کند

(۲) وقت کو غنیمت سمجھو۔

فرصت شمر غنیمت و دریاب فیض عمر　　گلچیں بزعم بلبل و بلبل بخواب گیر

(۳) تکلیف اُٹھائے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بے نیش الم لذتے از نوش نیابی　　بر بستر غم مایۂ مقصود ببر گیر

(۴) عشق بُرا ہے۔

ہر کرا در سر فتاد اندیشۂ سودائے عشق　　نیست آنرا جز بآہوئے بیابان اختلاط

(۵) روٹی کے پیچھے قدر گنوانا عقلمندی نہیں۔

خواہی کہ آبروے نریزی بزیر خاک | بر سفرہ زمانہ دوں چوں مگس مباش

(۶) بیجا خاموشی بھی دلیل نادانی ہے۔

بکشا زبان بہ گفت شنود ہواے نفس | چوں مُرغ نکتہ سنج اسیر قفس مباش

(۷) سفر آخرت کے لئے ہمیشہ تیار رہو۔

زد طبل رحیل سفرت قافلہ عمر | مخفی منشیں غافل و در فکر سفر مباش

(۸) ایضاً

عمر شد حرف ہواے وقت رفتن در رسید | پیروی تا چند مخفی نفس کافر کیش را

(۹) غیر کی مصیبت میں ساتھ دو اور اُس کی دلجوئی کرو۔

ہر کجا بزم مصیبت گرم گردد در جہاں | ور تکلم بلبل و در سوختن پروانہ باش

(۱۰) غیر مجلس میں جاؤ تو سلیقہ برتو۔

ور بزم ادب راہ چو یابی باادب باش | بکشا لب گفتار خود و گوش باب باش

(۱۱) مصیبت کے وقت گھبرانا نہیں چاہیئے۔

نالہ در ہنگام محنت عاقبت دوں ہمتست | نیست یکساں کار عالم مخفیا مردانہ باش

(۱۲) بدنام ہو کر پھر نیک نام بنا بہت ہی مشکل ہے۔

آلودگی زدامن عصمت نمیرود | صد بار آب دیدہ اگر شست شو کنم

(۱۳) گناہوں سے توبہ کرو! توبہ۔

ہر کہ بدریائے غفور روے خجالت نہاد | سر بفلک میکشد رفعت ایوان او

(۱۴) دولت دین عزلت سے حاصل ہوتی ہے۔

دولتے خواہی کہ باشد پائیدار و برقرار + نیست ایں دولت میسر غیر کنج خلوتے

(۱۵) ہمت نہ ہارو

منکہ صد حاتم طے در نظرم شل گذشت + حیف باشد کہ گدا طبع و گدا دل باشم

(۱۶) موت سے مت ڈرو کیونکہ یہ اٹل ہے۔

بر سرِ راہ اجل نشستہ بیم مرگ چیست + خلق و عالم رفتہ اند ایں راہ من ہم میروم

(۱۷) یار شاطر بنو نہ بار خاطر۔

بر طبع اہل مجلس مخفی گراں نماید + پروانہ جاں فشاند گر بر چراغ ہر دم

(۱۸) مال و دولت پر نازاں نہ ہو۔

مکن تکبر دولت مناز بر لشکر + کہ از اداے مخالف غنی گدا گردد

(۱۹) اندھے کے آگے روناآنکھوں کا زیاں ہے۔

پیش لایعقل زدانش دم زدن دیوانگیست + گفتگوئے عقل را با مردم عاقل کنند

(۲۰) عالم بے عمل اور جاہل یکساں ہیں۔

میان عالم و جاہل برابر از موے + تفاوتے بنود تا کہ علم بے عمل است

(۲۱) محنت سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔

گر بچشم تربیت بیند فروغ آفتاب + ہر کجا سنگے بود لعل بدخشاں میشود

(۲۲) ہر چہ باشی باش لیکن اندکے زر دار باش۔

بکار کسے نمے آید ہنر مخفی در ینغام + خر عیسے ہنرمند است گر در کیسہ زر دارد

اب ہم اُس کے دیوان کی ذاتی خوبیوں پر نظر ڈالتے ہیں اور ان مقولوں

حاشیہ ایک شعر ملا غنی صاحب کا بھی اسی مضمون پر ہے۔
اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو + کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا۔

اور اشعار کو نقل کرتے ہیں جو زیب النسار کی تصانیف سے ہیں اور آجکل تقریر و تحریر دونوں میں مستعمل ہیں مگر یہ ملحوظ خاطر رہے کہ ہمیشہ وہ اقوال ضرب المثل بننے کے قابل ہوتے ہیں جن کا مضمون عام لوگوں کے حسب حال ہو اور الفاظ سیدھے سادے ہوں اور طرز بیان میں لطافت پائی جائے سو یہ خاصیت زیب النساء بیگم کے کلام میں موجود ہے اور اُس کے شعروں میں ضرب المثل ہونے کی قابلیت ہے۔ مثلاً

(۱) دام ہر کس کہ بگیرد در بیاباں وحش وطیر
سنت اعجاز محبت گردن آہو گرفت

(۲) آرے آرے در طریق خوبرویاں داد نیست

(۳) نشتر الماس را باد بدہ سودن مشکل است

(۴) گر آفتاب بود شمع روشنائی است

(۵) مفلس ہمیشہ منتظر خوان حاتم است

(۶) نومید نباید شدن از گردش ایام
ہر شام کہ آید ز پے آں سحرے ہست

(۷) بستہ بہ آں لب کہ از گفت و شنو خاموش ہست

(۸) زبان شکوہ کشودن ز غیر نخیر ولیست
مرا کہ دشمن جانی ہمیں زبان بس است

(۹) نو عروس دہر را دیدار و اما دبس است

(۱۰) بہر کجا کہ روم یار ہمزبان من است

(۱۱) برپشت کتابے کہ بود حرف تواریخ
مضمون حروفش ہمہ اجزائے کتاب ست

(۱۲) نومید نباید شدن از گردش ایام
شامے بجہاں نیست کہ او را سحرے نیست

(۱۳) در محبت امتیاز خسرو فرہاد نیست

(۱۴) کف ہمت بلنداں بے درم نیست

(۱۵) نہ ہر سر تاج و تخت سروری یافت
نہ ہر اسکندرے پیغمبری یافت
نہ در ہر چشمہ آب حیات است
نہ ہر آئینۂ اسکندری یافت

(۱۶) نہ ہر خضرے درین رہ رہبری یافت

(۱۷) طالب دیدار را وادی ایمن گلشن است

(۱۸) قطرہ قطرہ رفتہ رفتہ موج دریا مے شود

(۱۹) عاشقاں را مسکن و ماوا بیابان ست اویس

(۲۰) نہ بر وفائی تو بستن تواں دل امید
نہ جفائے تو قطع نظر تواں کردن
نہ راز عشق تو بتواں نہفتن اندر دل
نہ غیر خویش کسے را خبر تواں کردن

(۲۱) ہم دین و ہم دل بردۂ ہم قصد جاں ہا کردہ

دیر شناسی تو این قصه برپا کرده

(۲۲) من ز دل تنگ دل ز من تنگ است
صحبت ما چو شیشهٔ سنگ است
مخفیا کے رسی بکوچهٔ دوست
رهٔ تاریک مرکبت لنگ است

ہم زیب النساء کے کلام کا شعراءِ قدیم کے کلام سے موزانہ کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اُسکا کلام اُن کے کلام کے آگے کیا رُتبہ رکھتا ہے +

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدا را
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

دو روز مہر گردوں افسانہ ایست افسوں
نیکی بجاے یاران فرصت شمار یارا

کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینیم آں یارِ آشنا را

در حلقۂ گل و مُل خوش خواند دوش بلبل
ہات الصبوح ہبو یا ایہا السکارا

اے صاحب کرامت شکرانۂ سلامت
روزے تفقدے کن درویش بینوا را

آسایشِ دُو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

در کوئے نیکنامی مارا گذر ندادند
گر تو نمے پسندی تغییر کن قضا را

آئینہ سکندر جام جمست بنگر
تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا

سرکش مشو کہ چوں شمع از غیرتت بسوزد
دلبر کہ در کفِ او موم است سنگ خارا

گر مطرب حریفاں آں پارسی بخواند
در وجد و حالت آرد پیران پارسا را

آں تلخوش کہ صوفی ام الخبائث خواند
اشہے لنا و احلی من قبلۃ العذارا

[illegible] — ین کیمیائے ہستی قارون کند گدارا

خوبان پارسی گو بخشندگان عمراند — ساقی بدہ بشارت پیران پارسارا

حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود — اے شیخ پاکدامن معذور دار مارا

زیب النساء بیگم

غم میکند فروغی اید وستاں خدارا — شاید نہفتہ ماند این راز آشکارا

مارا چو موم بگداخت ایں آتش محبت — تا چند باشدت دل در سینہ سنگ خارا

مروبیم گردش چرخ رحمے نکرد بر ما — تا کے توان بدشمن صاحبدلاں خدارا

مستی و تنگدستی بدنام خلق سازد — با طرز نشہ چہ نسبت درویش بینوارا

کشتی عمر بشکست در بحر نا امیدی — مشکل کہ باز بینم دیدار آشنارا

حاصل نشد چو گاہے کامے ز تیز تدبیر — تدبیر را گذارم گردن نہم قضا را

بگذشت موسم گل شد نالہائے بلبل — تا کے شراب مستی یا ایہا السکارا

برباد رفت در غم یاراں ذخیرۂ عمر — باشد کہ گردش چرخ فرصت دہد شمارا

اے خسرو زمانہ بکشاؤ چشم بنگر — در نامۂ سکندر احوال ملک دارا

یاران بزم عشرت مخفی و کوے محنت — با عافیت چہ کار است درویش بینوا

حافظ رحمۃ اللہ علیہ

خوشتر ز عیش و صحبت باغ بہار چیست — ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست

معنے آب زندگی روضۂ ارم — جز طرف جوئبار و مے خوشگوار چیست

هر وقت خوش که دست دهد مغتنم شمار — کس را وقوف نیست که انجام کار چیست

پیوند عمر بسته بموئیست هوشدار — غمخوار خویش باش غم روزگار چیست

راز درون پرده ز رندان مست پرس — اے مدعی نزاع تو با پرده دار چیست

مستور و مست هر دو چو از یک قبیله اند — با دل بعشوه که دهیم اختیار چیست

سهو و خطائے بنده گرت نیست اعتبار — معنے عفو و رحمتِ پروردگار چیست

زاهد شراب کوثر و حافظ پیاله خواست — تا در میان خواستهٔ کردگار چیست

زیب النساء بیگم

باغ و بهار آب رواں ایں خمار چیست — دل بکام و باده بکف انتظار چیست

فرصت شمر غنیمت و داد نشاط ده — حیران ایں خیال ز انجام کار چیست

ممکن چو نیست دیدن آئینهٔ مراد — چندیں شکایت از ستم روزگار چیست

هر دو روز عمر گرامی مده بباد — اندیشه هائے باطل ایں کار و بار چیست

گر خون دل ز دیده تراوش نداشتی — سیلاب خون ز دیده مرا در کنار چیست

اے دل اگر بدشت محبت زبوں نهٔ — چون بیدلاں بلد دولت ناله زار چیست

مخفی بقدر طاعت ما گر عطا کنند — در روز حشر رحمتِ پروردگار چیست

گو ایک ایک دو دو غزلوں کے مقابلہ کرنے سے مساوات اور برابری کا حکم لگایا نہیں جا سکتا۔ تاہم جب ایک عورت کے کلام کا اور عورت بھی وہ جس نے ہندوستان میں ہی نشو ونما پائی ہو اور جو کچھ سیکھا اسی جگہ سیکھا مرد کے کلام سے موازنہ کرتے ہیں۔ تو اُسے ہر طرح کی رعایت کا مستحق سمجھتے ہیں

لیکن یہاں پر ہم کسی کی طرفداری نہیں کرینگے اور جو کچھ راے دینگے
وہ بلاطرفہ ہوگی +

ناظرین کو معلوم ہے کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام کس درجہ کا ہے اور اُس نے کتنا کچھ پایہ حاصل کیا ہے اور خصوصاً سارے دیواں میں سے حافظ صاحب کی "دل میرود ز دستم الخ" اور غم میکند فزونی الخ کا مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دونو صورتیں ایک شکل کی ہیں اور دونو کی ایک ہی زبان ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک مطلب کو دونو نے جدا جدا ادا کیا ہے حافظ صاحب رحمۃ علیہ کا مصرع :-

"دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا"

جس لطافت اور خوش اسلوبی کے ساتھ متکلم کی حسرت کا فوٹو کھینچ سکتا ہے اس سے بہتر کوئی اسلوب سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ مگر زیب النساء بیگم کا شعر غم میکند فزونی اے دوستاں خدارا۔ شاید نہفتہ ماند ایں راز آشکارا بھی حسن بیان اور بلاغت میں تقریباً ویسا ہی اعلےٰ درجہ کا ہے۔ جیسا حافظ رحمۃ صاحب کا۔ حافظ صاحب تاسف فرماتے ہیں کہ راز پنہان آشکارا ہوا چاہتا ہے۔ اے دوستو خدا کے واسطے مدد کرو۔ جس سے استدعاء مدد کی درخواست ظاہر ہوتی ہے۔ مگر زیب النساء کے شعر میں ایک خوبی اور بھی زیادہ ہے۔ اسمیں علاوہ درخواست کے نتیجہ سے بھی اطلاع دیدی ہے کیونکہ کہتی ہے کہ اگر کوشش کرو تو شاید راز نہفتہ ہی رہے +

اس سے کسی پر حرف گیری کرنا میرا مقصد نہیں۔ اور نہ زیب النساء بیگم

کے کلام کو حافظ کے کلام پر ترجیح دینا۔ دیوان حافظ ایک ایسی کتاب ہے
جسے لسان الغیب کہا جاتا ہے اور مقبول جہاں ہے۔ شستگی زبان
کے لئے اُسے مستند اور معتبر مانا جاتا ہے تاہم موازنہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے
کہ مخفی کا کلام بھی مقابلہ میں کمتر نہیں ہے۔ اور اُسکو بھی زبان کی
حیثیت سے وہی رُتبہ دیا جاتا ہے۔ جو مقدم الذکر کو + دوسری غزل جسکا مطلع
خوشتر زعیش صحبت باغ و بہا چیست + ساقی کجا است گو سبب انتظار چیست
ہے۔ واقعی لطافت مضامین کے باعث لاجواب ہے۔ جس کے پڑھنے سے
ظاہر ہو رہا ہے کہ باغ ہے۔ بہار ہے۔ شیرہ شیراز موجود ہے۔ اور ایک
ایرانی کسی کے انتظار میں بیقرار ہے۔ آنکھیں دروازہ پر لگی ہوئی ہیں
مگر اب بیقراری حد سے گذر گئی ہے اور کسی کو کہ رہا ہے کہ۔ ع

ساقی کجا است گو سبب انتظار چیست

واقعی ایک حسرت زدہ اور مضطرب کے ارمانوں کا فوٹو ایسا ہی ہوتا ہے
لیکن جب ہم زیب النساء کے مطلع کو دیکھتے ہیں۔ تو اُس میں ایک
اور لطف حاصل ہوتا ہے وہ کہتی ہے۔ باغ بھی ہے بہار بھی ہے ساقی
بھی ہے پیالہ ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔ اب کس کا انتظار ہے جلدی ہو۔
گو کہی ہوئی غزل پر کہنا آسان ہے۔ پھر بھی جو لطافت یہ پیدا کر جاتی
ہے تڑپا دیتی ہے +

مرزا محمد علی صاحب المتخلص بہ صائب ہمعصر تھے اور عموماً زیب النسا
کی غزل پر غزل کہتے تھے۔ ان کی دو غزلیں بھی لکھی جاتی ہیں اور انصاف

مرزا محمد علی صاحب

در حریم پاکبازی بوریا گلزار نیست
فقر را با نقشبندان تعلق کار نیست

عشق عالم سوز را با کفر و ایمان کار نیست
گردن ما در کمند سبحه و زنار نیست

کاسه منصور خالی بود پر آوازه شد
ورنه در میخانهٔ وحدت کسے هشیار نیست

ما بسکر و حال مدارا با رفیقان میکنیم
ورنه بوے پیرهن را کاروان در کار نیست

بیقراران بے نیاز از کعبه و بتخانه اند
ریگ را در قطع راه هرگز بمنزل کار نیست

در پس دیوار محرومی گریبان میدرم
گرچه محرم تر ز من کس در حریم یار نیست

هر که پیراهن بد نامی درید آسوده شد
بر زلیخان طعن ارباب ملامت عار نیست

بر نیاید صبر با مژگان خواب آلود او
هیچ جوشن مانع این تیغ لنگر دار نیست

بر رگ جانها نه پیچد تا پریشان نیست زلف
نبض دلها را نگیرد چشم تا بیمار نیست

تو بہ صحبتان در خاطر ما یار نیست
راه امن بیخودی را کاروان در کار نیست

کهربا نتواند از دیوار جذب کاه کرد
جذبهٔ توفیق را با تن پرستان کار نیست

طوطی از آئینه میگوید مے آید بحرف
چون مرا در پیش رویش زهرهٔ گفتار نیست

میزند هر قطره باران چشمکے بر ساقیان
کیں چنین روز جزا پیمانه بر سرشار نیست

بینوایان بر سینهٔ بے کینهٔ من رکے دید
خانهٔ آئینه ام در بستهٔ زنگار نیست

پیش ما صائب که رطل خسروانی میزنیم
گنج بان اور بغیر از آب گوهر بار نیست

نواب زیب النسا بیگم

بت پرستانیم با اسلام ما را کار نیست
غیر تار زلف ما را رشتۂ زنار نیست

پیش ازین اے عقل بر من طعن رسوائی مزن
زانکہ مستان محبت را ملامت عار نیست

موسئے باید کہ پائے دل نہد بر دار عشق
بوالہوس بنشین کہ راہے کوچہ بازار نیست

ہمدمی گر نیست اے دل روز محنت گو مباش
مونسے زندانیان را بہتر از دیوار نیست

آشنایاں را چہ پیش آمد مروت را چہ شد
گرد وفائی آشنائی در جہاں آثار نیست

لذت درد محبت را ز بیدرداں مپرس
قدر صحت را نداند ہر کہ او بیمار نیست

صبحدم بلو صبا مے گفت با مرغ چمن
نالہ را تاثیر نبود گر دل افگار نیست

زادۂ دردیم و از خون جگر پروردہ ایم
کوہ ہائے غم اگر آید جوے آزار نیست

مخفیا گر وصل خواہی با غم ہجران بساز
کاندریں گلزار عالم یک گل بیخار نیست

مرزا محمد علی صاحب

نیست آساں خوان نعمتہائے الواں ریختن
برگریزان مکافات است دنداں ریختن

سالہا گل در گریباں ریختی چوں نوبہار
مدتے ہم اشک بیباید بداماں ریختن

تلخی منت حلاوت میبرد از مغز جان
آبرو نتواں برائے آب حیواں ریختن

میتواند بلبل ما از غبار بال و پر
در گریبان خزاں رنگ گلستاں ریختن

آں قدر موج حلاوت از دہان او کہ مو
میتواند قند ہا از شیرۂ جاں ریختن

نقدِ جاں عنایت چرا از تیغ او دریغ
از مروّت آبروی مہماں ریختن

زیب النساء بیگم صاحبہ

کارِ معشوقاں نمک بر زخمِ پنہاں ریختن
کارِ عاشق خونِ خود در پائے جاناں ریختن

نیست آساں پنجہ بر زلفِ پریشاں زدن
خونِ دل میبایداز دیدہ بداماں ریختن

گر نہادم داغِ عشقت بر جگر معذور دار
باغباں را میرسد گل در گریباں ریختن

صحبتِ بیگانہ زاں دارم تہائے آشنا
کابرو دشوار باشد پیشِ خویشاں ریختن

دیدۂ خود بر کشا مخفی دگر تا کے تواں
نقدِ عمرِ خویش را ہر سو پریشاں ریختن

ملا غنی صاحب بھی ہمعصر تھے۔ اُنکی اور زیب النساء بیگم کی ایک ایک غزل لکھی جاتی ہے۔ جس سے دونو کے زور کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ملا محمد طاہر صاحب غنی

از نمازم نیست مطلب غیر جست و جوئے دوست
میروم از اشتیاق افتاں و خیزاں سوئے دوست

ماہ نو نتواند از روئے خجالت شد سپید
چوں سیاہی میکند از گوشۂ ابروئے دوست

توتیائے چشم مرجز پرتو خورشید نیست
ما بنور دوست مے بینیم حسنِ روئے دوست

چہرۂ خود گرچہ ماہ از چشمۂ خورشید شُست
گرد خجلت بر رخش ہست از صفائی روئے دوست

یکنفس بنشین غنیؔ غافل ز دامنگیریش
تا نگردی خاک ہرگز برمخیز از کوئے دوست

زیب النساء بیگم صاحبہ مخفی

ره خوش باشد که بینیم بار دیگر روے دوست | در سجود آییم به محراب خم ابروے دوست
هر نفس از رشتهٔ کارم کشاید صد گره | پنجه گر یکره زنم چوں شانه گیسوے دوست
غنچهٔ دل بشگفد در سینه چوں گل در چمن | دیدهٔ دل را کند روشن نسیم بوے دوست
دیدهٔ یعقوب گر روشن شود نبود عجب | مژدهٔ وصلے گر آرد قاصد از کوے دوست
باده را لبریز کن ساقی و صحبت بر شکن | تا بکامے دل نشینم ساغرے پہلوے دوست
جوے خون آرد بجاے شیر مخفی کوہکن | نشنود از بیستون گر شمۂ از بوے دوست

عاقل صاحب

عاقل کا کلام بھی اچھا ہے۔ مگر افسوس زمانہ نے قدر نہ کی اور اس مرحوم کا کلام نہ چھپا اور نہ کسی نے سنبھال کر ہی رکھا۔ گو اُس کا ذاتی کمال تعریف اور شہرت سے بے نیاز ہے مگر چند روز کے بعد سوا افسوس کے اور کچھ ہاتھ نہ آئیگا۔ آج یہ نوبت ہے کہ دو غزلین بھی مکمل ہاتھ نہ لگ سکین جو اس کتاب مین درج کی جاتین۔ ہاں ایک شعر ملا ہے جو تبرکاً ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ زیب النسا نے لکھا تھا۔

گرچہ من لیلیٰ اساسم دل چو مجنوں در نواست + سر بصحرا میزنم لیکن حیا زنجیر پاست

اس کے جواب میں عاقل نے لکھا

عشق تا خام است باشد بستہ ناموس و ننگ + پختہ مغزان جنوں را کے حیا زنجیر پاست

جواب الجواب

[illegible]

زیب النساء بیگم نثر بھی بہت فصیح لکھتی تھی۔ ایک رقعہ کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ جس سے اُس کی لیاقت کا کافی طور پر اندازہ ہو سکتا ہے یہ رقعہ اس کے مرشد کے نام ہے اور خاص اس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہُوا ہے۔ یہ رقعہ مفتی عصمت اللہ صاحب کے کتب خانہ میں موجود تھا اب وہ کہتے ہیں کہ تھوڑا عرصہ ہُوا امیر بخش علی صاحب انسپکٹر ریلوے کو بطور تحفہ دیا گیا ہے +

خط ہذا

نقطۂ پرکار ندیر وجود ہفتم - خط محیط صفحۂ فلک ہشتم

حضرت پیر من ظلکم ابدا ربہ - مردان خدا در رسیده

زیب النساء فرمانے کہ وارد پایانے ندارد۔ اگر از تجرید

خود و م نغرید زنم رواست۔ من کہ بصوت گرفتار نہ بمعنے

خبردار۔ بالب و مسانہ بچو لے گفتہا گفتمے ؎

آنکہ رو از ہمزبانی شد جدا

بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

حررہ زیب النساء

قطعات ورباعیات

زیب النسا بیگم کی رباعیات میں کوئی طرز خصوصیت نہیں جس کا ذکر کیا جاوے۔ سب میں حسن اور عشق یا پند و نصائح کا مضمون ہے ذیل میں چند قطعات اور رباعیات جو سرسری نظر میں میں اچھی معلوم ہوئیں۔ نقل کی جاتی ہیں ٭

رباعی

اے آبشار نوحہ گر از بہر چیستی　　چین برجبین فگندہ ہم از بہر چیستی
درد تو چہ درد بود کہ چو من تمام شب　　سر را بسنگ میزدی وے گریستی

رباعی

واے برشاعران نادیدہ　　غلطے خود بخود پسندیدہ
سرو را قد یار مے گویند　　سرو چوبے است ناتراشیدہ

رباعی

خانہ بتخانہ داشت ابراہیم　　بود ابلیس را بگردوں راہ
عنایت نگر کہ آخر کار　　ایں لعین گشت وآں خلیل اللہ

رباعی

ساقی بده آن مے که نشاط انگیزد	از جوش وخروش او خرد بگریزد
یک قطره چو محتسب بریزد ساقی	خواهد که بحکم شرع خونش ریزد

رباعی

بشیرینی دهانت غنچه را گفتار بایستی	باستقبال قدت سرو را رفتار بایستی
چنین دردیکه من دارم طبیبم یار بایستی	بجاے شربت قندم لب دلدار بایستی

قطعه

هردم آزردگئے بغیر سبب را چه علاج	ما گذشتیم ز لطف تو غضب را چه علاج
فرض کردم که بیاد تو دلم خورسندم	لیکن این دیدهٔ دیدار طلب را چه علاج
آنچه بردل گذرد از غم هجر تو مرا	یک بیک شرع دهم لیک ادب را چه علاج
بتوان عشق نهان داشت ز مردم لیکن	زردئے رنگ رخ و خشکے لب را چه علاج

رباعی

مه چو فوارهٔ سیماب بجوش است امشب	وقت مینخوار ستی در خصت عیش است امشب
نامه از جانب فرهاد بشیرین برید	که براے تو هوا شیر فروش است امشب

قطعه

هردم ز دور لعل تو دیدن چه فائده
دیدن نبات و زهر چشیدن چه فائده

خوب آن بود که بر رخ خویش نظر کنی
ورنه ز غیر وصف شنیدن چه فائده

مخفی ز دست یار چرا جامه میدری
جاں پاره ساز جامه دریدن چه فائده

رباعی

نه جگرم خوں نه سینه چاک شدیم
سوختم آں قدر که خاک شدیم

جانفشانی نبود بر و د شوار
مژه برهم زدیم پاک شدیم

دیوان مخفی

اے ز ابر رحمتت خرم گل بستان ما
گفتگوے حرف عشقت مطلع دیوان ما

موسم مانا گہے گو ز شوق دار شد
تشنه خون محبت ظاهر و پنهان ما

العطش گویان بکشتے فنا هر گوشه
صد هزاراں نوح غرق موج طوفان ما

گر قبول افتد ز ما در زندگی یکجو نیاز
چوں سلیماں سر نه پیچد دیو از فرمان ما

قطرهٔ اشکے نیابد رہ بروے باد گر
خون دل چوں شد گہر بر ہر سر مژگان ما

در شکیبائی چو نے ایدل بہ آہ نالہ ساز
نیست چو درماں پذیر ایں درد بیدرمان ما

گر ز ظلمات ہوس بیروں نہم مخفی قدم
رہ نیابد خضر سوے چشمہ حیوان ما

خواہم کشم بدیدهٔ آں خاک آستاں را
یا بوسهٔ زلب دہ آں پاے پاسباں را

پوشیدهٔ جذبهٔ عشق در من تپ محبت
سلطاں لباس فاخرہ بخشد ملازماں را

تا کے بزعم دشمن در امتحاں عتابم
بشناس بہتر کہ ازیں یاراں جانفشاں را

آخر دہد بطوفاں بنیاد خانہ خویش
مرغ نظر چو بیند پر آب آشیاں را

مفروش دیدہ ارزاں گوہر بخاطر دل
یاراں روا ندارند بر دوستاں زیاں را

بر حال زار بلبل رحمے کرشمہ کن گل
شاہاں کشیدہ دارند بہر گدا عناں را

دادت خدائے مخفی دُر سخن بہ مخفی
زیں گونہ نیست دُرّے در سینہ بحر و کاں را

گرچہ من لیلئے اسالم دل چو مجنوں در ہواست
سر بصحرا میزنم لیکن حیا زنجیر پاست

بلبل از شاگردیم شد ہمنشیں گل بباغ
در محبت کاملم پروانہ ہم شاگرد ماست

در نہاں خونیم ظاہر گرچہ رنگ ناز کم
رنگ من در من نہاں چوں رنگ سرخ اندر حناست

بسکہ بار غم بدل اندوختم بر روزگار
جامہ نیلی کرد اینک بیں کہ پشت او دوتاست

دختر شاہم ولیکن رو بفقر آوردہ ام
زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النساء است

هر که با سنگِ ملامت همچو مجنوں خو گرفت
پیش اربابِ نظر چوں گوہر آب لو گرفت

دام ہر کس کہ بگیرد در میاں وحش و طیر
دست اعجاز محبت گردن آہو گرفت

بر ندارم سر گو صد خضر آید بر سرم
بسکہ الفت چشم گریاں با سرِ زانو گرفت

بادشاہ حسن آخر شد اسیر قید زلف
تیرہ روئے آفتابے را بدام مو گرفت

آرزوے سایہ ماے کند فرِ ہماے
مرغِ دل ما آشیاں سنبل گیسو گرفت

عاقبت از بیوفائی ہاے چرخِ کج خرام
مصحفی بیچارہ رفت و از جہاں یکسو گرفت

اے کہ از زلفِ سیہ بر رخ نقاب انداختی
آتشے در سینۂ جہاں کباب انداختی

بے قرار آں موج سیماب رخت در رواں
عکس رخسارت مگر بر روئے آب انداختی

از نگاہت آب خاصیت آتش گرفت
خوش نگاہے دل ربائے از شراب انداختی

تا چراغ گل ز عکس شمع رخ افروختی
بلبل و پروانہ را در اضطراب انداختی

در دلِ ویرانِ من تخمِ محبت کاشتی
چشم معموری بریں ملکِ خراب انداختی

راہ خواہم زد خیالت در لباس شب روی
از خیال صد خلل در کارِ خواب انداختی

پرتو رخسار خورشید عالم گیر شد
سایۂ تا مثل ہما بر آفتاب انداختی

معصیت دادی ز غفلت خرمن طاعت بباد
در خطائم عاقبت بہرِ ثواب انداختی

گشت مصحفی عاقبت سیلِ سرشک از موج ہا
کشتئ امید را در موجِ آب انداختی

قصیدہ در بیان تصوف و حال عشق انگیز

ز مستی گر بروں آئی مراد جسم و جاں بینی
ہماں کز دوریش صد داغ دلداری ہماں بینی

مرا از موشکافیہات اے دل حیف می آید
کہ مس را کیمیا دانی سخن را از مغاں بینی

زرِ ناقص عیارت را دریں بازار نفروشی
کہ زر را با محک در دست بروئے امتحاں بینی

چو مرداں بر سرِ مردانِ ناکامی تحمل کن
کہ تقدیر الٰہی را چو جورِ آسماں بینی

چو کام دل شود حاصل مشو غافل بہ ناکامی
ز روز غم بیاد آور چو خود را شادماں بینی

زباں در کام ہمت کش دو پائے صبر در دامن
کہ فتح ملک دل در جوہرِ تیغ زباں بینی

خجالت روشنی در دیدۂ بینائی دل گیرد
سرِ موئے ز خود بینی خود گردِ بتاں بینی

ترا گر صد جگر باشد ز خود بند جگر خوارت
محالست اینکہ میخواہی از آں کافر اماں بینی

برائے خاطر ایں نفس کافر ہمچو پروانہ
بر آتش میزنی خود را در آتش گر اماں بینی

چناں مشتاق عصیانی کہ تا سر حدِ نومیدی
گریزی از سعادت گر سعادت را زیاں بینی

تو گردوں ہمتے در اوج محنت بال نگشائی
ہمائے اوج راحت را کجا در آشیاں بینی

بخوں آلودۂ دامان عصمت را و میخواہی
بایں آلودگی از آتش دوزخ اماں بینی

ز غفلت رو بگردانی زبہرِ لذتِ طاقت
سرِ اخلاص خود را زیر دست آشیاں بینی

بداروئے پشیمانی علاجِ چشم کج بین کن
کہ شاید بے حجابِ دست روئے آستاں بینی

زحالِ خود مشو غافل چو مردانِ سرِ میداں
بقا را در بدن یابی فنا را ترک جاں بینی

ز دانش گر نشاں داری مکن افشائے راز دل
کہ چوں منصور سر را بر سر دار زیاں بینی

شداں حالت نے بہر صحبت بہراں کا کجا — قضائے قلبۂ محنت بہ از باغ جہاں بینی

بعزم نیستی یکدم گذر ہستی بروں آئی — دلت را در طواف کعبۂ روحانیاں بینی

بروں آئی اگر از خود چو نور چشم نابینا — برائے تختۂ ہستی مکاں در لامکاں بینی

خرابی جہانِ بیوفا از آتش نفس است — ازیں آتش جہاں را غیر جہاں خانماں بینی

وجودم را عدم داری ز نادانی خطا کردی — وجود پشۂ را کمتر از فیل دماں بینی

بروں کن پنبہ از گوش و بگوش دل سخن بشنو — بہر مجلس ز واعظ انتقامش در بیاں بینی

غزل گفتی و در سفتی ولے با من بگو تا کے — طلوعِ عمر را بر فرقِ دانِ فرق داں بینی

ہوائے وصل تو دارند دانم دوستاں تو — تو روے دشمنانت را بزعم دوستاں بینی

دلم دیوانہ میگردد چو مے بینم ترا غمگیں — چہ خواہد شد ترا گر جانبِ مہرباں بینی

توئی سلطان بیداد و منم مظلوم سرگرداں — تو خورشید جہاں باشی مرا خفاش جاں بینی

غرض اینست چشمم را ز خونابِ جگر خوردن — کہ در ہر قطرۂ اشکے بہار ارغواں بینی

دریں شیوہ مزن ہرگز تو از خونریزی گردوں — بچشمِ امتحاں گر سوئے گلزار جہاں بینی

خرد را خاک بر سر کن کہ رسوائے جنوں گردد — جنوں را تاج بر سر نہ کہ کام دل از آں بینی

بدردِ مُفلسی خو کن مشو شرمندۂ ہمت — ملایک را اگر بر خوانِ حاتم میہماں بینی

ہوائے راحت ار داری بروں از دورِ عالم شد — محالست آنکہ در عالم تو راحت گہ جہاں بینی

بزعم دوست یا دشمن شگفتہ ہمچو گل بنشیں — غبارِ خاطرے ہرگز ز ابنائے زماں بینی

عبث سرگشتہ وادی شداں مجنون بیچارہ — طلبگارِ محبت را مکاں در لامکاں بینی

من از دل داغ میخواہم تو دل از داغ میخواہی — من آتش در دخاں بینم تو در آتش دخاں بینی

نہ واقف تو از رازِ نہانِ عالمِ بالا — ازاں ابرِ پرتوِ خورشید را در آسماں بینی

در و گوہر بزعم خویشتن بریکدگر باشد
بچشم تربیت روئے اگر در بحر و کاں بینی

تو از ملکِ خراسانی با صطرح ار وطن داری
بخواب شب اگر در دوغم ہندوستاں بینی

ہوائے عافیت داری قدم در راہ جنت نہ
کہ ہر خار کف پارا درفش کاویاں بینی

ز نورِ دیدہ اے چشم طلب بگذار اگر خواہی
رُخ آئینہ مقصود اسرارِ نہاں بینی

مرو در کشورِ ظلمت کہ بس امر محالست ایں
کہ حسنِ رومیاں را در نقاب زنگیاں بینی

نہاں در موجۂ دریا تراجوئیدہ غواصاں
تو میخواہی کہ بے ملاح خود را برکراں بینی

پرید از آشیان زندگانی طائرِ عمرت
تو چوں صیاد نابینا بزیر آشیاں بینی

ندارد طاقت دیدار حسن یار ہر دیدہ
ہماں بہتر کہ ایں آئینہ را در عکس آں بینی

زہمت گر پروبالے کشائی در چمن بلبل
بہار صد گلستاں را نہاں در ریگ فغاں بینی

برو آئینہ دل را بآب دیدہ صیقل کن
کہ احوال دو عالم را دراں یکیک عیاں بینی

ز تیر غمزۂ جادو بگرداں گوشۂ ابرو
کہ عمرِ جاودانی در خدنگ ایں کماں بینی

مکیدن چند چوں طفلاں سر پستاں کلفت را
تو شیر عافیت در سینہ دوشیزگاں بینی

مطلع ثانی

چہ دیدی نفع در شادی کہ داغش بوستاں بینی
چہ نقصاں دیدۂ از غم کہ بستانش خزاں بینی

چراغ دیدہ روشن کن دریں بستاں سراے دل
کہ خوں چشم بلبل را بہار مہرگاں بینی

جرس سا ہمراہ او گرداں چو از نالہ اثر یابی
شتر آہستہ تر سیراں کہ چوں محمل گراں بینی

بہ نفرت آشنا گردی بعیب خود شوی بینا
بچشم دل اگر در روزگارِ مرد ماں بینی

کشے در دیدهٔ همت اگر داروے بینائی درون پردهٔ وحدت همه نقش جهاں بینی
نه بینی غیر رسوائی نه یابی حرف دانائی اگر در صفحهٔ جزوی کتاب عالماں بینی
چو مجنوں رو بوادی کن در صحرائے مخفی که با دلبر درین وادی عنایت همعناں بینی
برداز پردهٔ دانش در آ از صورت بینش که در هر گوشهٔ خلوت صد اسرار نهاں بینی
اگر چشم تماشا را نقاب از چهره برداری متاع دینی و دنیا مهیا پیش ازاں بینی
اگر دانی چه میگوید بمود در وقت گفتارش زبانش را سراسر دل دل او را زباں بینی
لباس فقر پوشیدن ترا وقتے سزاوار است که دلق کهنه پوشاں را نقاب آستاں بینی
بروبیت گردش گردوں در اندوه نکشاید اگر دانشوری باید که بهبود اندراں بینی
سر صرافیئے داری بیا زار جهاں باید رواج این دکاں را مختصر در نقد جاں بینی
بساط مفلسی بر چین و پر کن ساغر عشرت اگر خواهی که پیراں را درین عیش جواں بینی
بروز سعے پیدا کن درین هنگام ناکامی که چوں دشمن شوی با خود عدو را مهرباں بینی
ندیده لجه طوفاں نخورده لطمهٔ دریا اگر کشتی نشیں باشی توشاں بادباں بینی
بیا از دیدهٔ عبرت تماشائے گلستاں کن که دست هر بهارے را در آغوش خزاں بینی
شب تاریک و بیم موج و پائے شوق بے قوت بایں رفتار میخواهی که از مقصد نشاں بینی
گذشت هنگام شب گیر و بر آمد آفتاب آهنگ درین مقصد بسے پایاں تو راه کارواں بینی
بهم برزن تعلق را و چوں مجنوں بیکسو شو ز شور و شر اگر خواهی که خود را در اماں بینی
چه خواهی دید ازاں بر و چه خواهی یافت زیں چشما که ناز حسن او را حسن ناز ترجماں بینی
جوانی رفت و پیری رفت و خود هم میروی آخر هنوز اے دیدهٔ حسرت بسوے این و آں بینی
هوائے دودماں تا کے درین منزل سراسیمه درائی چوں درین منزل چراغ دودماں بینی

سرش گردم چه خواهد شد اگر در طره استغنا
ز ابرو گوشهٔ چشمے بسوے مخلصاں بینی

جے دانش اگر داری زباں در کام غیرت کش
ز دستِ ایں زباں تلخے زیاں مال و جاں بینی

بخلوت خانهٔ بیجاں تو بے منت شوی محرم
دراں مجلس اگر خود را تو از نامحرماں بینی

اگر از پردهٔ غفلت برائی ہمچو مغز از پوست
گلستانِ حقیقت را جہاں اندر جہاں بینی

بیاد رفتگاں یکره بگورستاں نگاہے کن
کہ تا از چشم ایشاں آب حسرت را رواں بینی

ہوائے نفس سگ را خود حیات بیخبر دارد
کہ خط مغز را در عکس روے استخواں بینی

مشو دل شاد اے مخفی ز مرگ دشمناں خود
بیاد آور ازاں روزے کہ خود را درمیاں بینی

تمام شد

کتبخانه وقف منصبه

قطعہ تاریخ

از شاعر شیریں مقال ناظم نازک خیال ماہر خفی و جلی

جناب مولوی پارس علی صاحب علی خلف الصدق

جناب مولوی فریدالدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ

چو زیب النساء را سوانح نوشت

خلیق خردمند فرخندہ رائے

علی بہر سالش سروشم بگفت

۱۵ ۱۳ ھ

حیاتے دگر یافت زیب النسائے